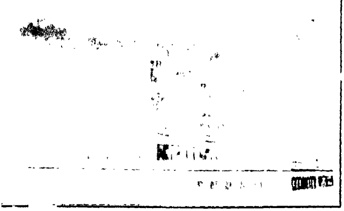
# MAKHZAN

## TIPU SULTAN NUMBER

THE MYSORE UNIVERSITY
URDU, PERSIAN & ARABIC ASSOCIATION
MAHARAJAS' COLLEGE MYSORE

Daria Daulat Bagh





Tipu Sultan's Mosque

1956-57

# مخزن

UNIVERSITY OF MYSORE
MAHARAJA'S COLLEGE

بزم ادب
اردو فارسی عربی مہاراجہ کالج میسور
جامعہ میسور

بزم ادب اردو و فارسی و عربی، جامعہ میسور
مہاراجا کالج میسور

سالنامہ

# مخزن

## ٹیپو سلطانؒ شہید نمبر

نگران

ڈاکٹر خضر علی خاں صاحب، ام۔اے، پی۔ایچ۔ڈی (کنٹب)

صدر و پروفیسر، شعبہ اردو و فارسی و عربی جامعہ میسور، مہاراجا کالج میسور

مہتمم

میر محمود حسین، ام۔اے

لکچرر فارسی، مہاراجا کالج میسور

مدیران مشترک

عبدالستار، سینیئر بی۔اے

عبدالواحد، ام۔اے (اردو)

دفتر مخزن، مہاراجا کالج میسور

[redacted]



# فہرست

## نثر


| | | |
|---|---|---|
| پیغامات | | 3 |
| افتتاحیہ | مدیرانِ محفوظ | 7 |
| انی اتیکم بسلطٰن مبین | محمود خاں محمود | 9 |
| چند غیر مطبوعہ مکاتیب | غلام ربانی | 13 |
| ٹیپو کی ایک گراں قدر مایہ تصنیف | عبد الواجد | 20 |
| ٹیپو سلطان شہید پر ایک نظر | ام محمود پاشا | 26 |
| کرشنا راؤ کے گر بسدھی | سیدہ ملکہ بانو | 29 |
| شہادت جنگ سلطانی | محمود خاں محمود | 33 |
| سلطانی دور خلیفۂ روم کی خدمت میں | ڈاکٹر بی شیخ علی | 40 |
| ہندو مسلم اتحاد کا مجسمہ | مہاتما گاندھی | 45 |
| اصلاحات و ایجادات | عبد الستار | 47 |
| سیویل لسٹ | فیض احمد | 52 |
| ظفر آباد کے کتبے | غوث بیگ | 56 |
| تصانیف | اسمٰعیل شریف | 61 |
| صادق از دکن | عبد المتین | 65 |
| ولی بادشاہ | سید نور محمد | 72 |
| ٹیپو سلطان ہمارا یاں بازد | جی محمد حنیف | 76 |
| سلطان شہید اور اقبال | نثار احمد | 83 |
| ہندوؤں سے سلوک | آر عبد السلام | 87 |
| زبان و ادب | صالح محمد حیث | 92 |
| السلطان الشہید | مجیب الناظم | 98 |
| حیدر علی خاں کا حسن تخیل اور رحمہ | سید محی الدین | 100 |
| سلطنت خداداد کی معاشی حالت | خلیل احمد | 102 |
| بقیات | | 105 |
| منسوب متعلق شاہ بر کی رائے | | 109 |
| اختتامیہ | معتمد عمومی | 111 |


## نظم


| | | |
|---|---|---|
| بھارت کا پہلا سپاہی | ضمیر فاضل شاہی | 12 |
| سلطان شہید سے | ابو الکلام شاد زیبانی | 18 |
| شہید وطن سے | غوث محی الدین صابر | 25 |
| مجاہد اعظم | اسعد جیبوری | 28 |
| ٹیپو سلطان شہید | ماہر القادری | 32 |
| داستان دکن | علامہ اقبال | 39 |
| حوصلہ ٹیپو کا | ایوب حسن فاروقی بیدل | 44 |
| ٹیپو سلطان | علامہ اقبال | 46 |
| ٹیپو سلطان شہید | محمد عثمان محسن | 51 |
| شیر میسور | خاکی ٹیٹوری | 56 |
| سلطان شہید سے خطاب | نور الحسن انور | 60 |
| حیدر علی ٹیپو سلطان | شاہ ابو الحسن ادیب | 64 |
| ٹیپو کے بعد | عبد الہادی رفعت | 71 |
| ٹیپو کے مزار پر | محمود ایاز | 75 |
| شیر ہندستان ٹیپو سلطان | محمود شیرانی | 82 |
| سر نگاپٹم | ظفر علی خاں | 86 |
| سلطان شہید | روش صدیقی | 91 |
| منزل ذکر قبول | علامہ اقبال | 108 |

# پیغامات

شری اس' نجالنگپا' بی اے ایل ایل بی
وزیر اعلیٰ، حکومت میسور

میں یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ آپ حیدر علی خاں اور ٹیپو سلطان کے متعلق ایک خاص نمبر اگست ۱۹۵۷ء میں شائع کرنے والے ہیں جب جنگ آزادی کا سو سالہ جشن منایا جانے والا ہے

گو ہم نے غلط نام سے موسوم "سپاہیوں کے غدر" کے سال کو وہ سال سمجھ رکھا ہے جب آزادی کی قوتیں ملک بھر میں حرکت میں آئی تھیں، اس حقیقت کو تسلیم کرلینا چاہیئے کہ آزادی کی جنگ 1857ء سے بہت پہلے شروع ہوچکی تھی دراصل میسور کی چوتھی جنگ جو ٹیپو سلطان نے 1799ء میں لڑی تھی اور اس سے قبل حیدر علی خاں کے کارنامے، کسی نہ کسی شکل میں آزادی کی جد وجہد کے مظاہر تھے، بنابریں یہ مناسب ہے کہ جب سارا ہندستان جنگ آزادی کا سو سالہ جشن منا رہا ہے میسور کے ان مجاہدوں کا نام ممنونیت کے ساتھ لیا جائے، ٹیپو سلطان نے آزادی کے لئے لڑتے ہوئے جان دے دی، آپ نے ایک ایسے مقصد کے لئے جان دی جو ہم سب کو عزیز ہے، لیکن اب جب ہم نے سیاسی آزادی حاصل کرلی ہے جس ایک اور مقصد، معاشی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا اور ضرورت ہو تو قربانی سے کام لینا چاہیئے تو آیئے ہم اس موقع پر اس کے بدلے کہ فرقہ وارانہ، جماعتی اور مقامی جذبات کے شکار ہو کر جن سے ہمارے ملک کے اتفاق، ترقی اور خوش حالی کو نقصان کا اندیشہ ہے اپنی قوتیں ضائع جانے دیں، خود کو اس مقصد کے لئے از سر نو وقف کردیں

مخزن سے میری بہترین امیدیں وابستہ ہیں

اس' نجالنگپا
وزیر اعلیٰ

(ترجمہ)

شری' دی' دیکشپا
وزیر تعلیم' حکومت میسور

یہ سن کر مجھے انتہائی مسرت ہوئی کہ آپ حیدر علی خاں اور ٹیپو سلطان کی زندگی اور کارہائے نمایاں کی یادگار کے طور پر اپنے سالانہ رسالۂ مخزن کا ایک خاص نمبر اگست سنہ 1957ء میں شائع کر رہے ہیں، اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں حیدر علی خاں اور ٹیپو سلطان کی زندگی اور کارناموں نے تاریخ میسور پر بڑے گہرے نقوش چھوڑے ہیں، شاہان وڈیر کے دور حکومت میں انہوں نے ریاست میسور کی حدود کی

وسیع و انضمام میں نمایاں حصہ لیا، افواج میسور کے سپہ سالار کی حیثیت سے حیدر علی خاں نے فوجی قوت سے ریاست کو وسعت دی اور ٹیپو سلطان نے اس کا نظم و نسق سنبھالا۔ سیاسی سازشوں کے باعث سنہ 1799ء میں میسور کی جنگ نے سرزمین میسور کی ان دو عظیم المرتبت ہستیوں کی تاریخ کا خاتمہ کر دیا، اس وقت تاریخ کی اس حقیقت و اہمیت کو یاد رکھنا ازبس ضروری ہے کہ ہندو اور مسلمان ریاست میسور میں تقریباً تین صدیوں سے مل جل کر زندگی بسر کر رہے ہیں، اس بات کا علم و احساس جمہوریہ ہند اور ناموس وطن کے علم کو بلند کرنے کے لئے ان دونوں کی متحدہ کوششوں کا باعث ہوگا، میری دلی تمنا ہے کہ ہمارے نوجوان مرد اور خواتین اتحاد ہند کے اس پہلو پر غور کریں اور اپنے آپ کو پھوٹ اور اختلاف سے بچائیں"

(نقل مطابق اصل)

ڈی، دنکپا
وزیر تعلیم

شری ایس، چنیا
صدر میسور پردیش کانگریس کمیٹی

"مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ آپ اپنے رسالے مخزن کا ایک خاص نمبر حیدر علی اور ٹیپو سلطان سے متعلق اگست 1957ء میں شائع کرنے والے ہیں، مجھے یقین ہے کہ یہ خاص نمبر ان دو باعظمت فرماں رواؤں کی حیات و خدمات پر تاریخی قدر و قیمت کے مالک دلچسپ اور سبق آموز مضامین پر مشتمل ہوگا، میں آپ کی کوشش کی پوری کامیابی کا خواہش مند ہوں"

(ترجمہ)

ایس، چنیا
صدر

جناب کے، جی، سیدین صاحب ایم اے
ایجوکیشن سکریٹری، حکومت ہند

مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہے کہ میسور یونیورسٹی کی بزم اردو و فارسی و عربی مخزن کا ایک خاص نمبر سلطان حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے اعزاز میں شائع کر رہی ہے، ان دونوں سلاطین کا ہماری قومی تاریخ میں ایک بلند مقام ہے اور انہوں نے رواداری، انصاف پسندی اور عمدہ نظم و نسق کی جو مثالیں قائم کی اس کی وجہ سے لوگوں کے دل میں ان کی بڑی عزت ہے، میں آپ کو اس موقع پر بہترین خواہشات نذر کرتا ہوں

(نقل مطابق اصل)

مخلص
غلام السیدین

پروفیسر سی، ڈی، نرسمہیا، ام، اے (کنٹب)،
پروفیسر و صدر شعبۂ انگریزی و پرنسپال،
مہاراجا کالج، میسور

"مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ میسور یونیورسٹی اردو، فارسی و عربی اسوسیشن ٹیپو سلطان سے متعلق مضامین پر مشتمل ایک سالانہ رسالہ شائع کر رہی ہے، یہ بہت مناسب ہے کہ آپ کے رسالے کا یہ نمبر اس بلند مرتبہ مجاہد اور محب وطن ٹیپو سلطان سے اس سال مخصوص کیا جائے، جب ہندستان کی سعی آزادی کا صد سالہ جشن منایا جا رہا ہے، جب ممتاز مورخوں کی جانب سے ہندستان کے اس اعلیٰ فرزند کے کارناموں کا از سر نو صحیح اندازہ لگایا جائے گا تو مجھے یقین ہے کہ ٹیپو سلطان کو نظر حقارت سے دیکھنے کی بجائے، کیونکہ ہماری تاریخی کتابوں نے ہمیں ایک یہی سکھایا ہے، ہمارے اہل وطن کے دلوں میں ان کے لئے سچی عزت اور تعظیم پیدا ہو جائے گی، مجھے مخلصانہ امید ہے کہ آپ کا خاص نمبر اس مقصد کی تکمیل کرے گا

(ترجمہ)

مخلص
سی، ڈی، نرسمہیا

جناب محمود شریف صاحب، ام، اے، ال، ال، بی
سابق وزیر صحت حکومت میسور، ممبر لیجسلیٹو اسمبلی، میسور
رکن، یونیورسٹی سنڈیکیٹ، میسور

"مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی آپ صاحبوں نے مخزن کی اشاعت اور اس کے ذریعے خاص طور پر ٹیپو سلطان کی زندگی کے حالات اور ان کے کارہائے نمایاں کو منظر عام پر لانے کا اہتمام کیا ہے، خصوصاً ایسے موقع پر جب کہ عظیم تر میسور جو ٹیپو سلطان کے تصور کا نتیجہ تھا جو برسوں سے تشنۂ تکمیل رہا تھا اور جس کے معرض وجود میں آنے نے ہمارے سامنے ترقی کی ساری راہیں کھول دی ہیں، مخزن کی اشاعت موزوں حیثیت رکھتی ہے، اس سلسلے میں مجھے یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ مخزن کی کامیابی کا میں کتنا بدل خواہاں ہوں، دو سال سے آپ کی کالج کے اردو طالب العلموں کی کوشش یہ ظاہر کر رہی ہے کہ اردو ادب کے معاملے میں وہ کتنی مستعدی سے کام کر رہے ہیں اور ان کے دلوں میں کتنا فدا کارانہ جذبہ موجود ہے، یہ ظاہر ہے کہ موجودہ زمانے میں اردو زبان کس بحرانی دور سے گزر رہی ہے اور اسے کس نامساعد حالات سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے، اس حیثیت سے ان کی ذمہ داریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں، اس کو محسوس کر کے انہیں اپنے عمل میں زیادہ تیز ہونا چاہئے، جب محمل گراں ہوتا ہے تو حدی کو تیز کرنے سے منزل آسان ہو جاتی ہے

پھر ایک بار مخزن کی کامیابی کے لئے دعا کرتا ہوں

مخلص
محمود شریف

نقل مطابق اصل

جناب اے محمد سیٹ صاحب، ممبر لیجسلیٹو اسمبلی
آزاد منزل، آبا روڈ، میسور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"مجھے یہ سن کر بے انتہا مسرت ہوئی کہ امسال آپ مخزن کا ٹیپو سلطان نمبر شائع کر رہے ہیں، اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ نواب حیدر علی بہادر اور حضرت ٹیپو سلطان شہید نے ہمارے ملک کی آزادی کا کوشش کا سنگ بنیاد رکھا تھا اور اس کے لئے انہوں نے ایسی قربانیاں پیش کیں جن کی نظیر تاریخ ہند میں نہیں ملتی، ہندستان کی آزادی سب سے بڑھ کر ان کی شرمندۂ احسان ہے، جنگ آزادی کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، ہندستان کی تاریخ میں ایسے روادار، خیرخواہ ملک و قوم، منصف مزاج، علم پرور اور خدا ترس بادشاہوں کی مثالیں نادر ہیں، میں ان کو ملک کے مجاہدان اعظم میں گردانتا ہوں، یہ حقیقت ہے کہ آزاد ہندستان ان مجاہدوں کی یاد کو کبھی نہیں بھلا سکتا، غداران وطن نے بے ایمانی نہ کی ہوتی تو انگریز کے قدم ہندستان میں کبھی نہ جم سکتے تھے، ان کی یاد میں اپنے رسالے کا خاص نمبر شائع کر کے آپ ایک بہترین خدمت انجام دے رہے ہیں

ان فرماں رواؤں کی بے مثال رواداری کی، سرنگاپٹم اور ریاست بھر کے ہندو مندر آج بھی داد دے رہے ہیں، نشہ بندی کا آغاز ان کے مبارک عہد میں ہوا، سودیشی تحریک کی بنا سب سے پہلے انہوں نے ڈالی، ملک کی معاشی ترقی کے لئے دستکاری اور ہنر کو رواج دیا، زمینداری سسٹم کو منسوخ کیا، ملک میں نظم و نسق اور امن و امان کا دور دورہ کر دیا، وہ حریت کے شیدائی اور ملک و ملت کے فدائی تھے، جان دی مگر آن نہ دی، حضرت علامہ اقبال کے بقول وہ خودی کے مالک تھے، بظاہر وفات کر گئے مگر حقیقت میں زندۂ جاوید ہیں

میں نے مخزن کے پچھلے تین رسالے دیکھے، ایسے معلومات افزا اور پر لطف رسالے میری نظر سے کم گزرے ہیں، سب سے زیادہ مسرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ہماری جامعہ کے طلبہ اور طالبات نے ایسے بلند درجہ مضامین لکھے ہیں، یہ نوجوان بے شک ہمارا مایہ ناز ہیں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں اچھے لکھنے والوں کی کمی نہیں، صرف موقعوں اور ہمت افزائی کی ضرورت ہے

یہ سب ڈاکٹر خضر علی خاں صاحب اور ان کے رفقائے کار کی محنتوں کا نتیجہ ہے، میں ان کو دلی مبارکباد دیتا ہوں، خدا جامعہ، اساتذہ اور طلبہ کو اپنی صلاحیتیں ظاہر کرنے کے زیادہ سے زیادہ موقع عطا فرمائے، میری دلی دعا ہے کہ مخزن کا یہ نمبر شاندار ہو، آمین، بجاہ سید المرسلین۔ اے محمد سیٹ عفی لہ۔ (نقل مطابق اصل)

# افتتاحیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہم خدائے عزوجل کا شکر ادا کرتے ہوئے بڑی مسرت کے ساتھ مخزن کا ٹیپو سلطان نمبر آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، یہ اس رسالے کی ستائیسویں سالانہ اشاعت اور پہلا خاص نمبر ہے، اور اسے ہم نے مجاہد اعظم، شہید حریت، شیر میسور، بادشاہ غازی، حضرت ابوالفتح، فتح علی، ٹیپو سلطان شہیدؒ، والی سلطنت خداداد کی ذات گرامی سے مخصوص کیا ہے جن کی شان میں شاعر اسلام علامہ اقبالؒ نے یوں قصیدہ سرائی کی ہے

آں شہیدانِ محبت را امام — آبروئے ہند و چین و روم و شام
نامش از خورشید و مہ تابندہ تر — خاکِ قبرش از من و تو زندہ تر
آں کہ گفتارش ہمہ کردار بود — مشرق اندر خواب او بیدار بود
عشق رازے بود بر صحرا نہاد — تو ندانی جاں چہ مشتاقانہ داد
رفت سلطاں زیں سرائے ہفت روز — نوبت او در دکن باقی ہنوز

اس خاص نمبر کی اشاعت میں ۱۶/ اگست ۵۷ء تک اس لئے تاخیر کردی گئی کہ اس دن ہندوستان کی جنگ آزادی کا سو سالہ جشن منایا جانے والا تھا، دراصل جنگ آزادی کا آغاز سنہ ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے نواب حیدر علی خاںؒ بہادر اور ٹیپو سلطان شہیدؒ نے کیا تھا، اس موقع پر اس خاص نمبر کی اشاعت جو مناسبت رکھتی ہے ظاہر ہے، یہ سلطان شہیدؒ کی خدمت میں ہمارا ہدیۂ خراج عقیدت ہے اور اس طرح ہم نے ملک و قوم کا ایک بڑا فرض انجام دیا ہے

نواب حیدر علی خاں بہادرؒ اور خاص کر ٹیپو سلطان شہیدؒ کی ہستیاں ایسی امتیازی خصوصیات کی مالک تھیں کہ تاریخ عالم میں ان کی مثالیں نادر ہیں، مرد مومن اور فقیر مشرب بادشاہ تھے، خدا کے لئے جیتے رہے اور اسی کی راہ میں اپنا سب کچھ اور اپنی جان تک قربان کردی، ان کا مقصد فقط اعلاء کلمۃ الحق تھا، شریعت کے خلاف کبھی ایک قدم نہ اٹھایا، ایسے روادار تھے کہ آج بھی غیر متعصب ہندو ان کے گن گاتے ہیں اور سینکڑوں مندروں کا خرچ ان کے عطیوں سے چلتا ہے، آزادی کی جدوجہد میں ان کی قربانیاں بے نظیر ہیں، ان کے کارنامے زندہ جاوید ہیں، ان کی زندگی ایک جیتا جاگتا پیغام تھی جس کی ترجمانی حضرت اقبال نے اپنی نظم "ٹیپو سلطان کی وصیت" میں بڑی خوبی سے کی ہے

یہ جامعہ میسور کے طلبہ کا رسالہ ہے اور اس میں اکثر طلبہ کے مضامین پیش کئے جاتے ہیں، لیکن اس خاص نمبر کے لئے ہم نے ریاست اور بیرون ریاست کے کئی شعراء، ادبا اور محققوں سے مضامین نظم و نثر کی درخواست کی، ان میں سے بعض حضرات نے ہمیں اپنے نتائج قلم سے نوازا، ہم ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں، خاص کر سلطنت خداداد کے مشہور مورخ حضرت محمود خاں صاحب محمود بنگلوری نے دو تین مضامین عنایت فرمائے اور اس خاص نمبر کی تیاری میں اپنے مشوروں سے سرفراز فرمایا، باوجود کبر سنی اور علالت کے اس سال دو مرتبہ

پلس نفیس ہمارے سالانہ تشریف لائے، ہم بڑی ممنونیت کے ساتھ آپ کی خدمت میں شکریہ عرض کرتے ہیں

مخزن کی پچھلی سال کی اشاعت کے بعد بعض ملک کے بعض اکابر نے جو بیش بہا خیالات ظاہر فرمائے وہ ہمارے حوصلہ شوق کے حق میں مہمیز کا کام دیتے ہیں۔ یہ قیمتی رائیں اس اشاعت میں شائع کی گئی ہیں۔ سب سے زیادہ ہمت افزائی ہمیں حضرت ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب قبلہ کے پیام سے حاصل ہوئی جو آپ نے اس سال بزم ادب کا خطبۂ افتتاحیہ ارشاد فرماتے ہوئے اپنی زبان فیض بیان سے دیا تھا۔ ہماری پیش کش کی اس سے زیادہ قدر دانی اور ہمت افزائی کیا ہو سکتی ہے کہ آپ نے اسے حسن قبول عطا فرمایا۔ یہ خاص نمبر اسی ہمت افزائی کا نتیجہ ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ سال ہم مخزن کا "میسور میں اردو نمبر" شائع کریں گے، اس کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں

اس مرتبہ بہترین مضمون کا انعام جناب محمد حنیف صاحب متعلم سنٹرل کالج بنگلور کو دیا گیا۔ ان کا افسانہ "ٹیپو سلطان کا دیا ہوا تحفہ" بہت نادر ہے۔ آپ کی یہ کوشش قابل تعریف ہے۔ مقام مسرت ہے کہ مخزن کی فروخت، اشتہارات کے معاوضے اور عطیوں کے ذریعہ ہم نے باقاعدہ طور پر "مخزن فنڈ" قائم کر لیا ہے، اسی سال اس سے ایک طالب علم کو وظیفہ بھی دیا گیا، ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ ہم اس کی مدد سے کتابوں کی اشاعت بھی کریں گے

حکومت میسور کے وزیر اعلیٰ شری ایس نجلنگپا، وزیر تعلیم شری وی وینکٹپا، حکومت ہند کے مشیر تعلیم جناب کے جی سیدین صاحب، ریاستی کانگریس کے صدر شری ایس چنیا، مہاراجا کالج میسور کے پرنسپل پروفیسر سی ڈی [illegible] ریاستی مجلس قانون ساز کے رکن جناب محمود شریف صاحب بنگلور اور جناب محمد سیٹھ صاحب میسور کے روح افزا اور دل نواز پیغامات زیب مخزن ہیں۔ ان حضرات کی عنایت ہیں ہم بڑی ممنونیت کے ساتھ شکریہ عرض کرتے ہیں

ہماری بڑی خوش نصیبی ہے کہ ہمارے شعبے کو ڈاکٹر نذیر احمد خان صاحب ایم اے پی ایچ ڈی دکن کا سابق صدر اور قابل پروفیسر میسر ہے۔ آپ کے علمی کمال، ادبی ذوق اور سلوک و مروت سے ہم طالب علم بے حد متاثر اور فیض یاب ہوئے ہیں۔ آپ کے وجود باجود پر ہمیں بجا ناز ہے۔ آپ نے شعبے میں ایک نئی روح پھونک دی ہے اور یہ رسالہ آپ ہی کے ذوق و ہدایت کا نتیجہ ہے۔ آپ کی زیر ہدایت جناب میر محمود حسین صاحب ایم اے، لکچرر فارسی نے اس رسالے کے سارے انتظامات انجام دیے، جناب محمد جلال الدین صاحب ایم اے، مددگار پروفیسر، جناب محمد حنیف صاحب کلیم ایم اے، لکچرر اردو فارسی اور جناب ایس سراج الحسن صاحب، سراج، ایم اے، لکچرر اردو فارسی نے اس کی اشاعت میں بڑی دلچسپی سے حصہ لیا۔ جناب عبد الغفار صاحب شکیل، ایم اے، ال ال بی، عارضی لکچرر اردو فارسی اور جناب علی محمد اسمٰعیل صاحب، ایم اے، لکچرر عربی، مہارانی کالج، میسور نے بھی ہماری ہر طرح مدد فرمائی، ہم ان سب حضرات کے دل سے ممنون ہیں اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں

اس مرتبہ کتابت ہم نے جناب مولوی سید شاہ اسد پیراں صاحب اسد مالک اسد پریس میسور سے کرائی ہے جو بذات خود ایک اچھے ادیب اور مشاق شاعر ہیں، اس طرح ہم اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں کہ رسالہ غلطیوں سے پاک ہو

آثار قدیمہ کے ڈائرکٹر اور حکومت میسور کے صدر افسر [illegible] نے از راہ کرم کچھ فوٹو بلاک عنایت کئے ہیں، ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان سب حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے مضامین اور نظمیں عنایت فرمائیں، اشتہارات دیے اور ہماری مدد کی

امید ہے کہ ملک کے ارباب بصیرت ہماری اس ادنیٰ سی کوشش کو حسن قبول سے نوازیں گے،

عبد الستار — عبد الوحید

مدیران مخزن



Hazrath Tipu Sultan Shaheed



Tomb of Hyder Ali Khan & Tipu Sultan at Srirangapatna

# اِنّی آتیکُم بسُلطان مبین

محمود خاں محمود بنگلوری
مورخ سلطنتِ خداداد

سرنگاپٹم کا زوال ایک ایسی ٹریجڈی (المیہ) ہے، جس کا راز ابھی تک پوری طرح کھل نہ سکا، سرنگاپٹم کے زوال کے بعد بے شمار انگریزی فوجی افسروں نے نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان پر کتابیں لکھیں، مگر انہوں نے "قلم درکف دشمن است" کا پورا پورا ثبوت دیا اور حقیقت حال سے گریز کر کے سلطان کے متعلق ایسی باتیں لکھیں کہ گویا وہ خود ہی اپنے زوال کا باعث ہے، ان میں سب سے مشہور کتاب میجر ولکس کی "تاریخ میسور" ہے، اگرچہ اس مبسوط کتاب سے اس زمانے کے بہت سے حالات معلوم ہوتے ہیں، لیکن جہاں انگریزوں اور سلطان کے تعلقات اور جنگوں کا ذکر آیا ہے، وہاں اس نے سارے الزامات سلطان ہی پر دھرے ہیں اور انگریزوں کو بالکل معصوم دکھانے کی کوشش کی ہے۔ اس نے ان سازشوں کا ذکر بھی نہیں کیا ہے جو سلطان کی شکستوں کے اصلی اسباب تھے،

انگریزی تاریخوں سے ہٹ کر اگر ملکی تاریخوں پر نظر ڈالی جاتی ہے تو لے دے کے صرف کرمانی کی ایک کتاب ملتی ہے، جس کا نام "نشانِ حیدری" ہے، کرمانی سلطان کا ہمعصر اور اسی کی ملازمت میں تھا، مگر زوال سلطنت کے بعد وہ انگریزوں کا ملازم ہو گیا اور گورنر جنرل ولزلی کے [illegible] ہدایت اس نے یہ کتاب لکھی، اس نے [illegible] کا ذکر کیا ہے مگر مبہم الفاظ میں، اس نے ان اسباب پر کوئی روشنی نہیں ڈالی اور نہ ان کرداروں کا ذکر ہے، جو سازش کو عمل میں لائے، اس نے ایک جگہ لکھا ہے، "اس جنگ (میسور کی تیسری جنگ) کے بعد سلطان نے اپنے مسلمان اور ہندو افسروں کو جمع کیا مسلمان افسروں سے قرآن پر اور ہندو افسروں سے دودھ اور چاول پر حلف لیا کہ آئندہ وفادار رہیں گے لیکن زمانہ بدل چکا تھا، ان نمک حراموں نے قسم کھانے کے بعد بھی اپنی چال نہیں چھوڑی، ان کے دل سیاہ ہو چکے تھے۔" یہ مختصری تحریر اپنے اندر ایک دفتر بے پایاں رکھتی ہے، ایک کوزہ ہے جس میں سمندر کو سمو دیا گیا ہے انگریزوں کی ملازمت میں رہتے ہوئے اس کے سوائے وہ لکھ بھی کیا سکتا تھا، وہ یہ کیسے لکھ سکتا تھا کہ ان تمام سازشوں کے پس پردہ کس کا ہاتھ تھا

میسور کی چوتھی جنگ یعنے آخری جنگ کے حالات میں اس نے لکھا ہے کہ "میر صادق سلطان تک صحیح خبریں پہنچنے نہیں دیتا تھا" وزیر پورنیا کے متعلق اس نے لکھا ہے کہ "۴ مئی کی دوپہر کو اس نے تنخواہ دینے کے بہانے سے فصیل قلعہ پر سے سپاہیوں کو ہٹا لیا، جس کی وجہ سے انگریزوں نے قلعہ پر چڑھائی کر دی" اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ "جب سلطان ڈڈی دروازہ سے باہر نکلا تو میر ندیم نے اس دروازہ کو بند کر دیا کہ سلطان

بند واپس آ سکے، اور جب سلطان واپسی پر دروازہ پر پہنچا تو وہاں بہتے ہوئے بھی اس نے دروازہ نہیں کھولا" مذکورہ بالا تحریر سے ظاہر ہے کہ پورنیا اور میر صادق سازش میں شریک تھے، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سلطان کے یہی دو وزیر تھے! اور کیا یہی دو ذی ہوش سلطنت کے سیاہ و سفید کے مالک تھے! کرنل جشن کی کتاب میں دوسرے وزیروں اور افسران اعلیٰ کے نام بھی ملتے ہیں۔ اور وہ نام یہ ہیں 'غلام علی لنگڑا (میر آصف) علی رضا ابن چندا صاحب (میر بخشی) بدرالزماں خان ناظم، میر غلام علی (لنگڑا) پورنیا اور میر صادق' ان چھ وزیروں کے بعد سید محمد (مہدوی) کا نام آتا ہے جو سلطان کا چیف سکرٹری تھا اور پھر میر معین الدین اور میر قمرالدین تھے جو فوج کے افسران اعلیٰ تھے۔

اگر صرف میر صادق اور پورنیا کو سازش کرنے کا الزام دیا جائے تو یہ صحیح نہیں ہوگا، حیدرآباد میں لکھی ہوئی تاریخیں صریح طور پر بتاتی ہیں کہ سلطان کے تمام وزیر اور افسر اس سازش میں شریک تھے، "سوانح نظام علی خان" میں لکھا ہے کہ سلطان کے امراء وزیر نہیں چاہتے تھے کہ سلطان زندہ رہے، وہ چاہتے تھے کہ وہ میدان جنگ میں مارا جائے"۔ حیدرآباد کی تاریخوں کی اس روایت کے ساتھ کرمانی کی اس تحریر کو پڑھا جائے، یعنی "ڈیوڑی دروازے سے نکلتے ہی سلطان پر دروازہ بند کر دیا گیا اور واپسی پر کھولا نہیں گیا" تو ثابت ہوتا ہے کہ سلطان کے تمام وزراء اور فوج کے افسران اعلیٰ سازش میں شریک تھے،

اب دیکھنا یہ ہے کہ سازش کرنے اور سلطان کے مارے جانے سے ان تمام کا کیا مفاد وابستہ تھا، پورنیا کے متعلق "رائز آف کرسچین پاور ان انڈیا" کے مصنف نے لکھا ہے کہ "اس غداری کا ہی صلہ تھا کہ پورنیا کو میسور کی ہندو ریاست کا دیوان بنایا گیا" ممکن ہے کہ یہ بالکل صحیح ہو، مگر یہ قرین قیاس نہیں ہے کہ میسور میں ہندو راج قائم کرنے کے لئے تمام مسلمان وزیر اور افسران اعلیٰ نے اس کا ساتھ دیا ہو، "میر صادق کے متعلق مقامی روایت ہے کہ انگریزوں نے اس کو ویلور کی جاگیر دینے کا وعدہ کیا تھا، ممکن ہے کہ یہ بھی صحیح ہو لیکن کیا یہ قرین قیاس ہے کہ صرف اس جاگیر کے لئے اس نے اپنی وزارت قربان کردی ہو، کہا جاتا ہے کہ "زوال سلطنت کے بعد میر قمرالدین کو گرم کنڈہ کی جاگیر دی گئی" یہ تحریر کرمانی کی ہے، مگر واقعات بتاتے ہیں کہ ولزلی نے زبردستی اس کو گرم کنڈہ کو بھیج دیا، جاگیر اس کی آبائی جاگیر تھی۔ ولزلی نے ہراس سے جنرل ہارس کو لکھا تھا کہ "ہر ممکن جلدی سے میر قمرالدین کو گرم کنڈہ بھیجا جائے' اس کا سرنگا پٹم میں رہنا خطرناک ہے" اس لئے یہاں اس کا مفاد کچھ اور ہی تھا، اسی طرح سلطان کے دوسرے چار وزیروں اور میر معین الدین کے مفاد کا راز بھی نہیں کھلتا، جشن کی تاریخ بتاتی ہے کہ میر معین الدین بھی میر صادق کی طرح اسی دن مارا گیا سلطان کی شہادت سے پہلے مارا گیا، یہی تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ اس دن بہت سے اہل نوائط شہریوں کے ہاتھ سے مارے گئے، معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی فوج جب قلعہ پر آگئی تو سازش کا تمام راز لوگوں پر کھل گیا

تاہم انہوں نے جوشِ وفاداری میں، میر صادق، میر معین الدین اور چند اہلِ نوائطہ کو جوش لگا قتل کر دیا اور دوسرے غداروں کو بھی ڈھونڈنے لگے، لیکن یہ ملے نہیں، مقامی روایات بتاتی ہیں کہ وہ قلعہ سے باہر انگریزی کیمپ میں مقیم تھے۔

بہرطور ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام کے تمام وزیر اور افسرانِ اعلیٰ اس سازش میں شریک تھے، اور ہر ایک کا کچھ نہ کچھ مفاد اس سازش اور سلطان کے قتل ہو جانے سے وابستہ تھا۔ اسی سازش کو بے نقاب کرنے اور اہلِ نوائطہ اور دوسرے افسروں کے مفاد کے راز پر سے پردہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ ارکاٹ کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے، انگلستان اور فرانس کے تعلقات کو دیکھا جائے، اور یہ بھی دیکھا جائے کہ حیدر آباد کے نظام علی خان کو حیدر علی اور ٹیپو سلطان سے اس قدر نفرت اور دشمنی کیوں تھی۔ اہلِ نوائطہ سرنگاپٹم میں کب اور کیسے آئے، میسور کی تیسری جنگ میں جب سلطان نے سوائے مدراس کے پورے جنوبی ہند پر قبضہ کر لیا تو یکایک اس کی فتوحات شکستوں میں کیوں بدل گئیں، اس مختصر سے مضمون میں اس کی گنجائش نہیں کہ مذکورۂ بالا تمام امور پر بحث کی جائے۔

زوالِ سلطنت کے ان داخلی اسباب کے علاوہ خارجی اسباب بھی دیکھنے ہیں، میسور کی تیسری جنگ میں بھی سرنگاپٹم کا محاصرہ ہوا تھا، اور یہ محاصرہ چوتھی جنگ میں جو محاصرہ ہوا، اس سے بھی سخت تر تھا کیونکہ مرہٹے بھی میسور کی تیسری جنگ میں شامل تھے، انگریزی تاریخوں میں لکھا ہے کہ اگر کارنوالس چاہتا تو اسی وقت سلطنتِ خداداد کا خاتمہ کر دیتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا، مرہٹہ مورخوں کا کہنا ہے کہ مرہٹوں نے اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر کارنوالس کو باز رکھا، مگر کیا یہ بات ٹھیک ہے؟

کارنوالس نے سلطان کے قبضہ میں صرف آدھی سلطنت چھوڑی تھی اور باقی آدھی مرہٹے، نظام اور انگریزوں نے تقسیم کر لی، اس آدھی سلطنت کو سلطان کے قبضہ میں چھوڑ دینے کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ انگریزوں کی پالیسی کیا رہی، کارنوالس کے جانے کے بعد سرجان شور گورنر جنرل ہو کر آیا، اس کے دورِ حکومت میں ہندوستان کی بساطِ سیاست پر بہت سے کھیل کھیلے گئے، انگریزی مورخوں نے لکھا ہے کہ اس نے ہندوستان کے معاملات میں کوئی دخل نہیں دیا، یعنی کہ وہ ایک خاموش تماشائی تھا، مگر واقعات بتاتے ہیں کہ وہ تماشائی نہیں بلکہ گہری سازشیں کر رہا تھا، انہیں سازشوں کا نتیجہ تھا کہ کرڈلا کے میدانِ جنگ میں مرہٹوں نے نظام کی طاقت کو بالکل ختم کر دیا اور وہ انگریزوں کی آغوش میں آ گیا اور یہ اسی گورنر جنرل کا کارنامہ ہے کہ سلطنتِ خداداد کے اندر سلطان کے تمام وزیروں اور افسروں نے اپنی سازش مکمل کر لی، سرجان شور کے بعد ولزلی گورنر جنرل بن کر آیا، یہاں داخلی طور پر سازشیں مکمل ہو چکی تھیں اور خارجی طور پر انگریز ساز و سامان سے جنگ کے لئے بالکل تیار ہو گئے۔

جنگ کے لئے کوئی معقول سبب نہیں تھا، اس جنگ کی وجوہات میں صرف یہ بتایا گیا ہے، کہ سلطان فرانسیسیوں سے خط و کتابت کر رہا تھا،

(بقیہ "دبقیات" میں ملاحظہ کیجئے)

# بھارت کا پہلا سپاہی

خمیسہ عاقل شاہی
جھور

(ہندوستان کی تاریخ آزادی کا پہلا ورق جسے زمانے کی متعصب نگاہیں بغیر دیکھے الٹ دیا کرتی ہیں) ۔

---

دکن کا وہ سلطان عظمت پناہی — وطن کا نگہبان ظل الٰہی
وہ جان رعایا کہ ہر قوم و ملت — تھی یکساں کرم گستر بادشاہی
فقط دیکھنے میں یہ ہندو وہ مسلم — مگر سب کے سب ایک منزل کے راہی
پٹن میں شری رنگسوامی کا مندر — اسی عہد کی دے رہا ہے گواہی

---

وہ اک اہل غیرت کہ اپنے وطن پر — نہ بھائی کبھی غیر کی بد نگاہی
وہ جس قلب میں ذوق ہندوستاں پر — کھٹکتی تھی انگریز کی کج کلاہی
فریب عدو بے مثال زمانہ — بچھا یا گیا دام شام دیگاہی
مدار المہامی اک تھی بد دیانت — ہوی کارگر رشوت مال وجاہی

وہ دن آگیا کر گئی پیش آخر
قیامت کا منظر پٹن کی تباہی

وہ جس کا لقب شیر ہندوستاں تھا — نبرد آزما نازش تاج شاہی
اب اس کے لئے موت تھی یا اطاعت — تو دی جان اس نے اطاعت نہ چاہی

غرض جس کو انگریز نے آزمایا
وہ ٹیپو تھا بھارت کا پہلا سپاہی

---

۱ سرینگ پٹن ۲ سلطان کی نگرانی میں تعمیر شدہ مندر جو آج بھی سلطان کی رواداری کی گواہی دے رہا ہے
۳ یہ ترکیب اگر غیر مستحسن ہے تو ضرورت شعری سمجھنے کی اجازت دی جائے

# چند منتخب مکاتیب

غلام ربانی
سینئر بی اے

کرک پیٹرک کو ٹیپو سلطان شہیدؒ کے جو سینکڑوں خطوط اور فرمانات ملے، ان میں سے صرف تک بھگ ساڑھے چار سو خطوط کا ترجمہ اس نے اپنے مجموعے میں شامل کیا ہے۔ ان میں سے چند منتخب خطوط کا اردو ترجمہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ جن سے سلطان شہید کی شخصیت، طرزِ حکومت ذاتی خیالات اور اخلاق و عادات پر روشنی پڑتی ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلطنت کا انتظام کتنی صلاحیت سے کرتے تھے، ملک کی آبادی اور رعایا کی خوش حالی کی آپ کو کتنی فکر رہتی تھی، قدرت نے آپ کو کیا کیا تجارتی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں، آپ کو شریعت کی پابندی کا کس قدر خیال رہتا تھا اور رعایا کی محبت آپ کے دل میں کس درجہ جاگزیں تھی،

کرک پیٹرک نے خطوط کا انتخاب اپنے نقطۂ نظر سے کیا مگر اس ناکام کوشش کے باوجود سلطان کی عظیم الشان شخصیت پر پردہ ڈال نہ سکا، میرا یہ انتخاب مشتے نمونہ از خروارے کے حکم میں داخل ہے

## سلطنت کا نظم و نسق

(خط نمبر ۶۰)

[illegible] بھگوند راجا رام چندر کے نام (۱۶ رجون ۱۷۸۵ء)

"تمہارا خط عامل ونکٹ گری کے نام چنڈی کے [illegible] موصول ہوا، تم فوراً عامل مذکور کو لکھو کہ وہ عامل ویلور بابو راؤ کو خبر دے کہ سلطنت خداداد کے علاقے میں چوروں کو پناہ نہ دی جائے، اگر کوئی چور مل جائے تو اسے سزائے موت دی جائے تاکہ اوروں کو عبرت اور خوف ہو"

(خط نمبر ۱۰۵)

محی الدین علی خان، دیوان کڑپہ کے نام (۳۱ اگست ۱۷۸۵ء)

"تمہارے بارے میں خبر ملی ہے کہ دفتر میں حاضری کے عوض تم اپنا سارا وقت گھر پر گزارتے ہو، یہ مناسب نہیں ہے، تمہیں چاہیئے کہ دفتر پر مناسب وقت تک حاضر رہ کر سرکاری کاموں کی طرف توجہ کرو، کسی شخص کو سرکاری کام کے متعلق تمہارے گھر جانے کی تکلیف نہ ہو"

(خط نمبر ۲۷۴)

محمد مہدی بخشی اقشام، سرنگاپٹم کے نام (۱۴ مئی ۱۷۸۶ء)

"اطلاع ملی ہے کہ سرکاری کام اپنے گھر پر کرتے ہو، حکم دیا جاتا ہے کہ سرکاری کام صرف کچہری میں کیا جائے تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو"

(خط نمبر ۳۸۹)

دیوان کڑپہ، محی الدین علی خان کے نام (۴ نومبر ۱۷۸۶ء)

"تم نے درخواست کی ہے کہ تمہارے گھر اور باغ میں ان دس بان داروں سے کام لینے کی اجازت دی جائے جو وہاں مقیم ہیں، تمہیں معلوم ہو کہ بان دار سپاہی ہیں،

یہ کام تمہارے ہاں جو چراگاہیں ہیں' ان سے لیا جائے'

(خط نمبر ۳۰۰)

عامل کالی کٹ' ارشد بیگ خاں کے نام (۲۲ نومبر ۱۷۸۶ء)

عامل کرمناد گرا سے اطلاع ملی ہے کہ اس علاقہ میں چوروں اور رہزنوں کی کثرت ہو گئی ہے' یہ اطلاع ملفوف ہے' ان کے انسداد کی تدبیر کرو

جو شرارت پسند باغی اور ان کے سرغنہ مارے گئے' مارے گئے' لیکن جو باقی آدمی گرفتار ہوئے ہیں انہیں کیوں سزائے موت دی جائے' وہ گورے ہوں یا کالے' انہیں سری رنگ پٹن بھیج دیا جائے"

## رعایا سے مہر و محبت

(خط نمبر ۱۲۴)

محمد غیاث اور نور محمد خاں 'پونا' کے نام (۲۳ ستمبر ۱۷۸۵ء)

"اگر حاکمان پونا اجازت دے دیں تو تم فوراً واپس آجاؤ' دسہرے کی عید قریب ہے' اس موقع پر ان ہندوؤں کو جو آپ کے ماتحت ہیں' دس آدمیوں کے لئے ایک بکرا دیا جائے اور ذوالحجہ میں اسی حساب سے مسلمانوں کو بھی بکرے دئے جائیں

(خط نمبر ۱۶۲)

دیوان نجگوڑ' راجا رام چندر کے نام (۲۶ نومبر ۱۷۸۵ء)

"قلعہ خان خان ہلی کے اندر کارخانہ بندوق سازی کی تعمیر کے متعلق تم نے لکھا ہے کہ اس کے لئے چالیس پچاس گھر منہدم کرنے پڑیں گے' اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ گھر خرید لئے جا سکتے ہیں' ان کے عوض ان لوگوں کو قلعہ سے باہر شہر میں سرکاری خرچ سے گھر تعمیر کرا کے دے دئے جائیں"

(خط نمبر ۳۷۷)

دیوان کرگی' محمد اشرف کے نام (۱۵ اکتوبر ۱۷۸۵ء)

"تم نے لکھا ہے کہ قطب الدین خاں فوجدار دھونی کو تم نے پچاس ہزار روپے لگا دئے ہیں اور ستر ہزار روپے ابھی خزانے میں بچے ہوئے ہیں' تم نے یہ خبر بھی دی ہے کہ تم جمع بندی کے لئے افسروں کو بھیجنے والے ہو اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے لگان کی وصولی میں کچھ دیر لگے گی

خیال ہے کہ بارشیں نہ ہونے کے سبب غریب رعایا کو بڑی تکلیف ہوگی' لہٰذا حکم دیا جاتا ہے کہ تم اپنے ماتحت علاقے میں افسروں کے ذریعہ اناج وغیرہ کی مفت تقسیم کا انتظام کرو' انسانی ہمدردی کا ایسے آڑے وقت یہی اقتضا ہے' امید کہ خدائے پاک اپنے کرم و شفقت سے جلد باران رحمت بھیج دے گا"

## ملک کی آبادی اور رعایا کی خوش حالی

(خط نمبر ۹۶)

دیوانِ نجگوڑ' راجا رام چندر کے نام (۲ اگست ۱۷۸۵ء)

تم نے لکھا ہے کہ سرکاری دکانوں دکوآپریٹو سوسائٹیوں کی بکری بالکل کم ہو رہی ہے' یہ تو ابھی ابتدا اور تجربہ ہے' صرافوں کو مامور کرنا یا نہ کرنا اس پر منحصر نہ ہونا چاہئے' تم صرافوں اور مہاجنوں کو مامور کر دو' باہمی امداد اور بنکوں کی تجویز بھی ہمارے زیر غور ہے"

(خط نمبر ۳۰۷)

محمد درویش اور دیگر سفیروں برائے فرانس کے نام ([illegible])

حکم دیا جاتا ہے کہ تم شاہ فرانس سے درخواست کرکے ملک فرانس سے ایک قابل طبیب' ایک قابل معمار

جو مولسازی کا اچھا ماہر ہو، اور ایک قابل جراح (طبیب)، حاصل کرو اور انہیں اپنے ساتھ لاؤ"

(خط نمبر ۴۰۸)

چتلدرگ کے دیوان اور لغردن کے نام (۱۱ر دسمبر ۱۷۸۶ء)

"حکم دیا جاتا ہے کہ تم ایک معتبر شخص کو پائیں گھاٹ روانہ کرو تاکہ جو شریف لوگ وہاں تنگ دستی میں بسر کر رہے ہیں انہیں سلطنت خداداد میں آکر آباد ہونے کی رغبت دلائیں، اس کام پر جو شخص مامور ہوگا اس کے لئے پروانہ راہداری (پاسپورٹ) ملفوف ہے، اسے چاہیئے کہ ان لوگوں کے ناموں کی فہرست بنا کر حضوری میں ارسال کرے جو میسور میں آکر آباد ہونا چاہتے ہیں"

(خط نمبر ۴۳۰)

ارشد بیگ خاں فوجدار کالی کٹ کے نام (۲ر فروری ۱۷۸۷ء)

"تم کو چاہیئے کہ کالی کٹ کے تمام تاجروں اور باشندوں کو تاکیدی حکم دے دو کہ جو انگریز تاجر وہاں آیا ہوا ہے اس سے نہ کوئی چیز خریدو نہ کوئی چیز اس کے ہاتھ بیچو، اگر یوں کیا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ کب تک وہاں ٹھہرے گا، آخرکار مایوس ہو کر وہاں سے خود ہی چلا جائے گا"

(خط نمبر ۱۸۱)

فراست خوجہ اعتمادی کے نام (۱۲ر دسمبر ۱۷۸۵ء)

"تمہاری مرسلہ فہرست میں چند ایسی دواؤں کے نام درج ہیں جو یورپی ملکوں کی پیداوار ہیں، لہذا حکیم محمد بیگ سے مشورہ کرکے ان کی بجائے یونانی ادویات تجویز کرو"

— سلامی وجہند پڑ دینی

(خط نمبر ۲۹۸)

شمس الدین خاں داروغہ (۱۹ر نومبر ۱۷۸۶ء)

اور دیگر افسران توشک خانہ سری رنگ پٹن کے نام

"تمہارا خط ملا، اس سے معلوم ہوا کہ فی الوقت دارالضرب میں سونا چاندی کس قدر ہے، ہم نے چند دن قبل تم کو حکم دیا تھا کہ ایک علاحدہ تجوری میں پانچ لاکھ روپیہ اٹھا کر رکھ دو، ہمارا ارادہ ہے کہ اس رقم سے نجف میں ایک نہر بنوائی جائے، یہ رقم حیدری روپیوں، آدھے روپیوں اور پاؤ روپیوں میں ہونی چاہیئے، یہ سکے یا تو دارالضرب سے حاصل کئے جائیں یا ملک سے جو مال گزاری آتی ہے اس سے جمع کی جائے، ان احکام کا اعادہ کرتے ہوئے حکم دیا جاتا ہے کہ اس تجوری پر مہر لگا کر ایک طبلق اس مضمون کا لکھ کر لگا دیا جائے"

"اس تجوری میں وہ روپیہ جمع ہے جو دریائے فرات سے مشہد علی تک بنائی جانے والی نہر کے لئے ہے، اس میں سے ایک پیسہ بھی کسی اور کام پر خرچ نہ ہو"

(خط نمبر ۳۶۵)

سید احمد صاحب کے نام (۲۱ر ستمبر ۱۷۸۶ء)

خواہش ظاہر کی جاتی ہے کہ آپ دین اسلام کی ترقی اور اس کے دشمنوں کی تباہی کے لئے دعا کیا کریں"

(خط نمبر ۴۲۲)

سید محمد قلعہ دار سری رنگ پٹن کے نام (۱۵ر جنوری ۱۷۸۷ء)

"پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جبہ مبارک جو کڈپہ سے حاصل ہوا ہے، روانہ کیا جاتا ہے، اس متبرک اور قیمتی یادگار کو وہاں کے امام کے سپرد کر دو

اور ان سے کہو کہ اس تبرک کو بھی وہیں رکھا جائے جہاں
پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر تبرکات اور یادگاریں
رکھی ہوئی ہیں "

(خط نمبر ۶۹)

حضرت شہنشاہ دہلی شاہ عالم (۲۳ر جون ۱۷۸۵ء)

" حضور پر نور کا سرفراز نامہ شرف صدور لایا
اور باعث صد عزت ہوا، راؤ بال کنداس کے ذریعے جو
تحائف ارسال کئے گئے تھے ان سے آپ کی نوازشوں کا
ثبوت ملتا ہے، ان سے ہم جیسوں میں ہماری عزت و توقیر
متصور ہے، ان کی وصولی کے اقرار میں اطاعت گزاری کا
یقین دلایا جاتا ہے

یہ خادم اسلام، دین محمدی کی حمایت میں نصرانیوں
کی سرکوبی میں مصروف ہے جنہوں نے اس سرزنش کی آب
نا اکرایک ذلیل صلح کرلی ہے، یہ معاملہ اس قدر مشہور ہے
کہ اس عریضہ میں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں، خدا
کے فضل و کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے، اس خادم دین محمدی
کی خواہش ہے کہ دشمنان دین سے جنگ کرے اور ان کو
شادے،

اس اخلاص اور وفاداری کی سند میں جو اس
خادم دین محمدی کو آپ کی ذات شاہانہ سے ہے، ایک سو
ایک طلائی مہریں ارسال خدمت ہیں، انہیں قبول فرما کر
عزت افزائی کریں، امید کہ حضور والا اپنے احکام سے
وقتاً فوقتاً سرفراز فرماتے رہیں گے، باقی حد ادب

(خط نمبر ۷۰)

منظور علی خاں دہلی کے نام (۲۳ر جون ۱۷۸۵ء)

راؤ بال کنداس سے آں جناب کی نیکیاں
اور فضائل معلوم ہوئے، ایک عریضہ ارسال خدمت
ہے جس میں حضور شہنشاہ ہند کے خط کے لئے ایک عریضہ
اور نذر کے لئے ایک سو ایک طلائی مہریں ہیں، آپ کی
خوش اخلاقی اور مہربانی سے امید ہے کہ آپ ان کو
بارگاہ شاہی میں پیش کریں گے

اکثر مسلمانوں کی عادت ہوگئی ہے کہ اپنی سہولت
کے لئے مہریں اور روپے جیب میں رکھتے ہیں اور ان
سونے اور چاندی کے سکوں پر شاہان وقت کے نام
کندہ رہتے ہیں جو ہمارے رسم و رواج کے خلاف ہے،
اس لئے ہم نے ایک نئی قسم کی مہر ضرب کرائی ہے جس پر
خدائے تعالیٰ، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت
علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسماء کندہ ہیں، یہی نئے
سکے شہنشاہ کے لئے نذر بھیجے گئے ہیں، اور اس دوستی
کی افزائش کے لئے جو ہمارے درمیان ہے آپ کے لئے
بھی پچیس مہریں ارسال ہیں، یقین ہے کہ آپ اپنے
خطوط سے مسرور فرمائیں گے، یہاں کے دوسرے
حالات راؤ بال کنداس سے معلوم ہوں گے، باقی خیر"

(خط نمبر ۲۳۲)

محمد بیگ خاں ہمدانی کے نام (۲ر اگست ۱۷۸۶ء)

" اگرچہ آپ کے اور ہمارے درمیان اب تک
کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی تاہم بال کنداس کے ذریعے
آپ کے اوصاف حمیدہ، خوش اخلاقی، جواں مردی اور
سیاسی بصیرت معلوم کرکے نہایت خوشی ہوئی، لہٰذا
اس قول پاک کے مطابق کہ " انما المومنون اخوۃ " آپ
سے دوستانہ تعلقات بڑھانے کی خواہش سے یہ خط
لکھا جاتا ہے"

آپ نے سنا ہوگا کہ آپ کے اس دوست نے کس طرح حال ہی میں بے دین نصرانیوں کی سرکوبی کی ہے، غالباً اس کی تفصیل آپ تک پہنچ گئی ہوگی، اب فی الوقت میں بعض مسلمان رئیسوں کی سرزنش کر رہا ہوں جو شریعت اسلام کے خلاف کافروں کے ساتھ اتحاد کر چکے ہیں جس کی وجہ میں نے حال ہی میں خدا کے احکام اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث قلم بند کر کے تمام ملک میں بطور پمفلٹ تقسیم کئے ہیں، جن کی ایک نقل آپ کے ملاحظہ کے لئے بھی ارسال ہے،

ہمارے اپنے دین پاک کی مدد کے لئے ضروری ہے کہ تمام مسلمان متحد ہو جائیں اور کافروں کی سرکوبی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھیں تاکہ دین محمدی روز بروز ترقی پذیر ہو

مسلمانوں پر جو برا وقت آیا ہے اس کا بڑا سبب سلطنت ہند (دہلی) کی کمزوری ہے، اگر مسلمان اب بھی متحد ہو جائیں تو انکی شان و شوکت پھر آ سکتی ہے اور اس وقت ان کافروں کو کہیں پناہ نہ مل سکے گی، لہٰذا امیرانِ اسلام کو ایسی کارروائی کرنا چاہیئے کہ روز فردا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمسار ہوں

آپ کی دوستی کی قدر کرتے ہوئے مول چند اور کل رائے کے ذریعے خدمت میں خلعت بھیجی جاتی ہے، امید کہ قبول کی جائے گی، خیریت احوال سے ہمیشہ ممنون فرمائیں"

## تجارت اور صنعت وحرفت کی ترقی

(خط نمبر ۱۵۳)

بنام ناظم داروغہ کوٹھی مسقط کے نام (۱۷ نومبر ۱۷۸۵ء)

"معلوم ہوا ہے کہ جزیرۂ درازیں جو مسقط کے نزدیک ہے ریشم کے کیڑے اور ان کے انڈے ملتے ہیں، ان چیزوں کو حاصل کر کے پانچ آدمیوں کے ساتھ جو اس کام کے ماہر ہوں بھیجو

ہمارے جو جہاز مسقط آئیں ان کا سامان اتروا کر پھر ان میں گندھک اور تانبا لدوا کر لوٹا دیا جائے، اس کام میں دو دن لگیں گے، اس طرح ہمارے جہازوں کو بندرگاہ میں چار دن سے زیادہ ٹھہرنے نہ دو، تمہیں چاہیئے کہ جہازوں کی آمد و رفت کا ایک باقاعدہ رجسٹر رکھو اور اس میں جہازوں کے نام اور ان کی آمد و رفت کی تاریخ وغیرہ درج کرو"

خط نمبر ۱۵۴

میر کاظم داروغہ کوٹھی مسقط کے نام (۱۹ نومبر ۱۷۸۵ء)

تم کو الائچی، صندل، کالی مرچ اور چاول کی فروخت میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے، ان چیزوں کو بحفاظت اپنے پاس رکھو اور آئندہ نفع پر فروخت کرو"

(خط نمبر ۱۵۷)

میر کاظم، داروغہ کوٹھی، مسقط کے نام

(۲۵ نومبر ۱۷۸۵ء)

" اس جگہ زعفران کی پیداوار کس جگہ ہے دریافت کر کے دو من تخم روانہ کرو، اور چند ماہرین زراعت کو بھی ساتھ بھیجو۔ اسی طرح ریشم کے کیڑے اور ان کو پالنے والوں کو بھی روانہ کرو، ان لوگوں کو پیشگی کی ضرورت ہو تو ضرور دی جائے"

# سلطانِ شہید سے

ابوالکلام شاد زیبائی
بجنور

مرحبا صد مرحبا اے تاجدارِ حریت — السلام والسلام اے شہسوارِ حریت
ملک تیرے دم قدم سے تھی بہارِ حریت — اے کہ تیری ہر ادا آئینہ دارِ حریت

کارنامے تیرے ابتک زندۂ جاوید ہیں
تیرے افسانے ابھی تابندۂ جاوید ہیں

اے مجاہد اے دلاور اے سخی اے صف شکن — لرزہ بر اندام تیرے نام سے ہر تیغ زن
نقش ہے تاریخ ماضی میں ترا ہر بانکپن — جان دے کر تو نے رکھ لی شرم ناموسِ وطن

جرأت آموز صداقت ہے یہ افسانہ ترا
وادیٔ پرہول سے ہنس کر گزر جانا ترا

اے علمبردارِ آزادی ترے غم کی قسم — تیرے ذوق و شوق تیرے عزمِ محکم کی قسم
روئے تاباں کی قسم گیسوئے برہم کی قسم — تجھ پہ کیا چھایا تھا عالم تیرے عالم کی قسم

تیری شمشیرِ شجاعت جب ہوئی رن میں رواں
غل صفِ اعدا سے اٹھا الاماں صد الاماں

تو نے ملکِ ہند میں ڈالی بنائے حریت — تیرا دل پہلے ہوا تھا آشنائے حریت
ہر نفس میں تیرے تھی روحِ فدائے حریت — آفریں صد آفریں تجھ پر فدائے حریت

حق آزادی کی خاطر تیرا ہر اقدام تھا
تو جہانِ حریت کا جانفزا پیغام تھا

تو نے دنیا کو بنایا آشنائے زندگی — تو نے پھونکی ذرّے ذرّے میں نوائے زندگی
سایہ افگن تجھ پہ فضلِ کبریائے زندگی — تو نے سمجھا در حقیقت مدعائے زندگی

کون کہتا ہے گیا تو جانبِ ملکِ عدم
صفحۂ تاریخ میں زندہ تجھے پاتے ہیں ہم

تو نے عالم کو دیا درسِ جہادِ آرزو — تیرے نقشِ پا نے دکھلائی صراطِ جستجو
مایہ دارِ زندگی شوقِ تھا تیرا لہو — اے کہ سمجھا تو نے رمزِ آیۂ لاتقنطوا

جب مسلمانوں پہ کوئی تازہ آفت آئے گی
اے مجاہد! یاد تیری فی الحقیقت آئے گی

آتشِ احساسِ بیتابی سے گھبرایا ہے شاد — خسروِ ملکِ دکن تو ہے تہی مایہ ہے شاد
قلب صد حسنِ عقیدت نذر کو لایا ہے شاد — آستانِ پاک پر بنگلور سے آیا ہے شاد

التجا ہے آج تیرے عدل سے انصاف سے
دامنِ مقصد کو بھر دے گوہر الطاف سے

"مردوں کی بہترین تصویر ان کی جواں مردی ہے"

(ٹیپو سلطان)

# میسور کی ایک گراں قدر فارسی تصنیف

عبدالواحد ایم اے

شمالی ہند میں بہت سی باکمال ہستیاں گذری ہیں جنہوں نے اپنی مادری زبان کے علاوہ فارسی اور عربی زبانوں میں بھی اپنی بیش بہا علمی یادگاریں چھوڑی ہیں، ان باکمال ہستیوں میں مسلمان بھی ہیں اور ہندو بھی، اس لئے شمالی ہند میں اگر کسی ہندو صاحب تصنیف کا نام لیا جاتا ہے تو اس پر کسی کو تعجب نہیں ہوتا کیونکہ مسلمانوں کے عہد سلطنت میں فارسی ہی سرکاری زبان تھی، ہندو اور مسلمان دونوں یکساں فارسی زبان کے ماہر ہوتے تھے، لیکن جنوبی ہندوستان میں خصوصاً حیدرآباد سے نیچے راس کماری تک کسی ایسے ہندو کا نام نہیں ملتا جس نے فارسی اور عربی تو درکنار دکنی زبان میں بھی کوئی چھوٹی موٹی تصنیف اپنی یادگار چھوڑی ہو۔

میسور علاقہ پر مسلمانوں نے تقریباً پونے دو سو سال تک حکومت کی ہے، ان پونے دو سو سال میں تقریباً ڈیڑھ سو سال تک شہر اسلامی کا صدر مقام اور مرکز رہا ہے، اس طویل عرصہ میں یہاں ہندوؤں کا تو ذکر نہیں، خاص مسلمانوں میں بھی یہاں کتنے ادیب و شاعر اور کتنے مورخ و مصنف گذرے، ان میں ایک کا نشان بھی نہیں ملتا، اس کے بعد نواب حیدر علی کا زمانہ آتا ہے اور بجائے سرا کے سرنگاپٹم مسلمانوں کا مرکز بنتا ہے، نواب حیدر علی کا زمانہ ۱۷۶۱ء سے ۱۷۸۲ء تک کا ہے، لیکن اس زمانہ کی بھی کوئی تصنیف سوائے ایک چھوٹی سی منظوم کتاب جو دکنی زبان میں لکھی گئی ہے، ابھی تک نہیں ملی، اس چھوٹی سی کتاب کا نام "چار کرسی کلاں" یا "چار کرسی احمد خاں شیرانی" ہے، اس کتاب کا مصنف احمد خاں شیرانی ہے اور اس کا وطن کولار تھا (موجودہ وقت کولار ریاست میسور میں ضلع کولار کا صدر مقام ہے اور یہاں کے معدن ہائے طلا مشہور ہیں)۔ چنانچہ خود خاتمۃ الکتاب میں لکھتا ہے:

باشندہ میں کولار کا — کئی سال مڑواگل میں تھا
حاجی برکاتی حیدر ولی — واں ہیں دو ولیاں تربتاں
تاریخ تھی چوتھی صفر — یہ چار کرسی ہوئی تمام
سنہ ایک ہزار ایک سو اپر — نود پہ چھ آغاز یاں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کولار سے نقل مکانی کر کے مڑواگل (ملباگل) گیا جہاں دو ولیوں کے مزارات ہیں، اور یہاں کئی سال تک مقیم رہا، کتاب کا سنہ تصنیف ۱۱۹۶ھ ہے، اور یہ ٹھیک نواب حیدر علی کا زمانہ ہے، چنانچہ خود مصنف نے بھی لکھا ہے:

کرسیاں ہوئے ہیں یو تمام — نواب حیدر کے عمل
قصبہ مدن پلی منے — غلام علی شاہ کے مکان
اس وقت مدن پلی منے — امام بیگ حاکم اتھا

قصبہ گرم کنڈہ ضلع مدت سنی باشندگاں
پہلے کتاب نواب حیدر علی کے عہد میں مدن پلی غلام علی شاہ کے مکان میں لکھی گئی اور اس وقت مدن پلی میں امام بیگ حاکم تھا، اور یہ کتاب اس لئے لکھی گئی کہ گرم کنڈہ کے مسلمانوں میں مسئلوں کے متعلق اختلاف تھا

سوائے عقائد کی اس چھوٹی سی منظوم کتاب کے عہد نواب حیدر علی میں لکھی ہوئی کوئی کتاب ابھی تک نہیں ملی اور یہ بھی ممکن ہے کہ نواب حیدر علی کی سرپرستی میں کوئی کتاب لکھی گئی نہ ہو، کیونکہ نواب کا پورا زمانہ ایک نئی سلطنت کے قائم کرنے میں ہمیشہ جنگوں میں گزرا ہے۔

۱۷۸۲ء میں نواب حیدر علی کے انتقال کے بعد ٹیپو سلطان شہید جب سریر آرائے سلطنت ہوئے تو آپ نے تالیف و تصنیف کا ایک مستقل شعبہ ہی حکومت کی زیر نگرانی قائم کیا، اور بہت سی کتابیں تصنیف ہوئیں، جن کا ذکر میجر سٹوارٹ نے اپنی کتاب "کیٹلاگ آف ٹیپو سلطان لائبریری" میں کیا ہے، ان میں بہت سی کتابیں تو مذہبی ہیں اور کچھ قصے کہانیوں کی اور تین یا چار علوم و فنون کی، اسی زمانہ کی ایک مشہور تصنیف "فتح المجاہدین" بھی ہے جو خاص سلطان کی نگرانی اور سرپرستی میں لکھی گئی تھی، یہ کتاب اس زمانہ کے فنون جنگ میں ایک لاجواب کتاب ہے، (اور الحمدللہ کہ ڈیڑھ سو سال بعد یعنی اب کراچی میں شائع ہو گئی ہے) لیکن کوئی دوسری کتاب اس عہد کی ابھی تک شائع نہیں ہوئی، لیکن ایک لاجواب تصنیف اور اس کے لاثانی مصنف کا ذکر کیا جا رہا ہے، وہ اگرچہ عہد سلطانی ہی کی پیداوار ہے، لیکن سلطان کی شہادت تک وہ مکمل نہیں ہوئی تھی بلکہ سلطان کی شہادت کے نو سال بعد تکمیل کو پہنچی، اس لئے اس کا ذکر ٹیپو سلطان کے کتب خانہ کی فہرست میں نہیں ہے، اس گراں قدر تصنیف کا نام "غرائب جدید" ہے جس سے ۱۲۲۳ھ نکلتا ہے، یہ کتاب فارسی زبان میں لغت کی ایک لاجواب کتاب ہے اور اس کے مصنف کا نام "خان جہاں خاں" ہے

کرنل ولکس نے جو میسور کی تاریخ لکھی ہے، اس میں لکھا ہے کہ "خان جہاں خاں ایک برہمن تھا جس کی مادری زبان کنڑی تھی، ۱۷۸۳ء میں جب ٹیپو سلطان نے حیدر نگر (بدنور) پر قبضہ کیا تو یہاں کے سرکاری کنڑی دفتر میں سلطان کی نظر اس پر پڑی، سلطان نے فوراً پہچان لیا کہ یہ ایک جوہر قابل ہے جو تعلیم و تربیت سے چمک سکتا ہے، سلطان نے اس کو اپنی ملازمت میں داخل کیا۔ اس کو مسلمان بنایا اور اپنی ہی زیر نگرانی اس کی تعلیم و تربیت شروع کی،" فنون جنگ کی تعلیم کے علاوہ اس کو عربی اور فارسی بھی پڑھائی گئی، اور جب وہ فنون جنگ میں ماہر ہو گیا تو اس کو فوج کی کمان بھی دی گئی اور وہ سلطان کے ساتھ سرنگاپٹم میں رہنے لگا

سلطان کی شہادت کے بعد جن سلطانی افسروں کو پنشن دی گئی ان میں خان جہاں خاں کا نام بھی ملتا ہے، سلطان کے وزیروں کو درجہ اول کے وزیر قرار دے کر پنشن دیتے ہوئے فوجی افسروں کو درجہ دوم کی پنشن دی گئی، اس درجۂ دوم میں خان جہاں خاں کا نام

بھی لکھتا ہے

۱۸۰۱ء میں یعنی سلطان کی شہادت کے دو سال بعد جب ایسٹ انڈیا کمپنی اور مرہٹوں میں جنگ ہوئی تو کرنل آرتھر ولزلی (ڈیوک آف ولنگٹن) نے میسوری فوج کی کمان کے لئے خان جہاں خان کو انتخاب کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خان جہاں خان ایک ہنرمند فوجی جرنل تھا، اس کا نام کئی بار ڈسپاچز (فوجی خطوط) میں آیا ہے۔ اس جنگ کے خاتمہ پر جب وہ میسور واپس ہوا تو اس کو میسور کے نئے مہاراجہ کا فارسی اتالیق مقرر کیا گیا اور یہ بھی روایت ہے کہ میسور کے وزیر پورنیا کی فارسی خط و کتابت بھی اس کے سپرد تھی

## کتاب "غرائب ہدا"

کتاب کے دیباچہ میں مصنف کی جو تحریر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی تصنیف سرنگاپٹم میں شروع ہوئی، لکھتا ہے:۔

"این ہیچ مدان سبز کردۂ نظر مکرمت ٹیپو سلطان شہید خلد مکان خان جہاں ساکن دارالامان سرنگپٹن منزل دانشمندان بلند نظرت و مجمع خردمندان عالی منزلت بود، روزے بعادت معہود باایشان مجالست و ہنگام موافقت گرم داشت، ازاں انجمن آرائیان انجمن ذکر تالیف و تصنیف ارباب استعداد درمیان آمد، درمیں ہنگام فیض انجام برخوردار کامگار سعادت و اقبال نشان باصرۂ دل وجان و غرۂ ناصیۂ ظاہر و پنہاں خلاصہ محمد خاں حفظ اللہ المنان کہ در تحصیل علم و ادب جہد بے حد مبذول دارد و لب سوال بعرض خواہد بکشود کہ در کتب لغت الفاظ متحد المعنی بسبب قرار ابواب و فصول بقید حروف متفرق اند و از لفظ معنی حاصل می شود، کتابے باید کہ الفاظش مختلف متحد المعنی یکجا جمع باشد بخلاف لغت از معنی لفظ حاصل آید و اسم انسانات و حیوانات و نقدیات و جنسیات کہ لابد کارخانجات دستور العمل جانداریست مجموعاً بحسب استعمال یکجا بود، الخ"

اس عبارت سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں، اول یہ کہ عہد سلطانی میں سرنگاپٹم گہوارۂ علم و فضل تھا اور دوسری یہ کہ یہاں ہمیشہ عالموں اور فاضلوں کی مجلسیں ہوا کرتی تھیں، چنانچہ ایسی ہی ایک مجلس میں خاں جہاں کے بیٹے نے باپ سے ایک ایسی لغت کی فرمائش کی جو قدیم طرز یعنی بجائے حروف تہجی کی ترکیب کے الفاظ متحد المعنی کی ترتیب پر ہو، آگے چل کر مصنف نے لکھا ہے کہ اس قسم کی لغت کی افادیت سے اگرچہ وہ واقف تو ہوا مگر یہ کام اس کو سخت مشکل نظر آیا، اور اس نے غور و فکر کرنا شروع کیا تو ملہم غیبی نے یہ اشارہ کیا:۔

مژدۂ لا تقنطوا از رحمت اللہ گوش کن
جام معنی ہاے بیگانہ پیاپی نوش کن
یاس از باب کریم کارساز آید حرام
ہرچہ می خواہی بیابی جہد باید والسلام

پھر لکھتا ہے کہ "اس بشارت سعادت آثار" سے آگاہ ہو کر وہ اس کام پر آمادہ ہوا،

پوری کتاب میں جو ۸۱۳ صفحات پر ہے پانچ فصلیں اور ۳۵۷ ابواب ہیں جن میں ۱۲۳۲۰

(بارہ ہزار چار سو سینتالیس) الفاظ معنی کے ساتھ دیئے گئے ہیں، اس کے علاوہ قواعد صرف و مصادر و صرف آمدت وغیرہ بھی ایک باب میں دیئے گئے ہیں لغت کی اصل کتاب شروع کرنے سے پیشتر سورۂ اقرا لکھ کر اس کی پوری تفسیر فارسی میں تفسیر حسینی سے دی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا نزول چونکہ سورۂ اقرا سے شروع ہوتا ہے، اس لئے مصنف نے بھی اس سورۃ کو اپنی کتاب کے افتتاح کے لئے مبارک تصور کرتے ہوئے اس کی تفسیر بھی دی ہے اور دیباچہ کو اپنے ہی ان ابیات پر جو مثنوی کی طرز پر ہیں ختم کیا ہے:۔

زخوانِ جہاں نولہ بر داشتم
بہ کچکول این نامہ بگذاشتم
کہ اطفال طالب شوند کامیاب
"غرائب ہدا" سال و نامِ کتاب
ز معنی شناسانِ والا نژاد
توقع چنیں دارد ایں بے سواد
باصلاح ایں خامہ جولاں کنند
خطا را بپوشند و احساں کنند
کرم کن کرم اجر احساں بہ بیں
اگر باورت نیست قرآں بہ بیں
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ

مصنف نے کتاب کو اپنی ہی اس نظم پر ختم کیا ہے

فکر سفینہ نمود تا دل دریا تاب
گفت بگوشم سروش ہست فتح باب
شکر بہ درگاہ حق کردم و گفتم عزم

چوں کہ دریں بحر فکر در زدم از دل عزم
گشتہ خدا ناخدا شرط رسالت مآب
بردہ بہ ساحل جہاز ختم نمودم کتاب
پس ز خدا خواستم ہم ز رسولِ کریم
طالب ایں نسخہ را ذہن و ذکا عظیم
جنس غراب مرا نقد قبولِ مدام
کشتی حاجات من باد رواں والسلام

اصل کتاب یہاں یعنے صفحہ ۸۱۲ پر ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد محرر یعنے کاتب نے اپنی جانب سے خاتمہ لکھنا اس طرح لکھا ہے:۔

"در تمت الکتاب بعون ملک الوہاب کتاب غرائب ہدا من تصنیف نواب مستطاب معلی القاب حضرت خان جہاں خاں بہادر زاد اللہ عمرہ و جاہ و حشمتہ بروز جمعہ تاریخ ہفدہم شہر ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ باتمام رسید، محرر العباد محمد رضا مرثیہ خواں ولد شیخ رستم ساکن سات گڈھ کہ منظور نظر پرورش آں فیاض زمانہ بقرب حضور سعادت گنجور ممتاز و سربلند بود ارقام نمود، در مکان دار السرور میسور"

کشادہ باد بدولت ہمیشہ ایں درگاہ
بحق اشہد ان لا الٰہ الا اللہ

نوشتہ بخط سیہ بر سفید
نویسندہ را نیست فردا امید

یہ کوئی معمولی عالم کا کام نہیں کہ لغت لکھنے پر آمادہ ہو جائے، لہٰذا کتاب کو دیکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ خان جہاں خاں واقعی ایک علمی جوہر ثابت ہوا،

اس کی ہمہ گیر قابلیت و علمیت کا اندازہ کسی ایک باب سے بھی ہو سکتا ہے، مثال کے لئے یہاں ایک چھوٹا سا باب "قمر" کا دیا جاتا ہے، فاضل مصنف نے اس میں مترادف الفاظ اس طرح دئے ہیں،

اشارہ نہم در بیان نامہائے قمر و ما یتعلق بہا باسی الفاظ

۱. قمر بفتحتین۔ ماہ بعد از سہ شب تا آخر و تا سہ شب ہلال گویند و خیرہ شدن چشم از دیدن برق

۲. مہ یعنی ماہ شب چہاردہم

۳. ماہ اسم قراست و از دیدن ہلالے تا ہلال دیگر را گویند و آں گاہ است و ہر روز دگا دسی روز بود

۴. ہلال بکسر ماہ نو تا سہ شب و بعد ازاں قمری گویند

۵. بدر بفتح یکم و سکون دویم ماہ تمام شب چہار دہم۔ مبادرت میکند بر آفتاب در طلوع و غروب و نام خلائے و نام جامے

۶. ماہتاب۔ بالف موقوف۔ ماہ

۷. ساقی شب یعنی ماہ و مہ و پیر مرشد۔

۸. ۹. زورق زریں و زورق سیمیں یکم برائے ہو یعنی ماہ نو

۱۰. ہالہ بالام مفتوح و اخفاء ہا۔ حلقہ و دائرہ باشد کہ بر گرد ماہ بسبب بخارات ارضی پدید آید

اتی ہیں الفاظ جو معنے کے ساتھ دے گئے ہیں، طوالت کے خوف سے یہاں اس مضمون میں چھوڑ دے گئے ہیں لیکن وہ الفاظ یہ ہیں۔

خرگاہ ماہ۔ خرگاہ مہ۔ خرگ ماہ۔ خرگ مہ۔ خرمن ماہ۔ خرگاہ قمر۔ خرگ قمر۔ خرمن قمر۔ ساہوار۔ شادرو۔

برہون۔ پرہون۔ سیلا۔ خسوف۔ خافقین۔ چراغ شب عروس سپہر۔ عروس جہاں۔ عروس شام کا مکان لیکن اس کے عوض یہاں ایک اور باب دیا جاتا ہے جو "شب" کے متعلق ہے۔

اشارۂ دہم در بیان شب و ما یتعلق بہا۔ بارہ لفظ

۱. شب۔ معروف

۲. لیل بفتح شب

۳. طوان بفتحتین۔ شب و روز

۴. عماس بالفتح۔ شب و روز سخت تاریک

۵. سدف بفتحتین و سوم فا۔ تاریکی و روشنائی

۶. دوش۔ شب گذشتہ و کتف

۷. مسا۔ بالفتح شام

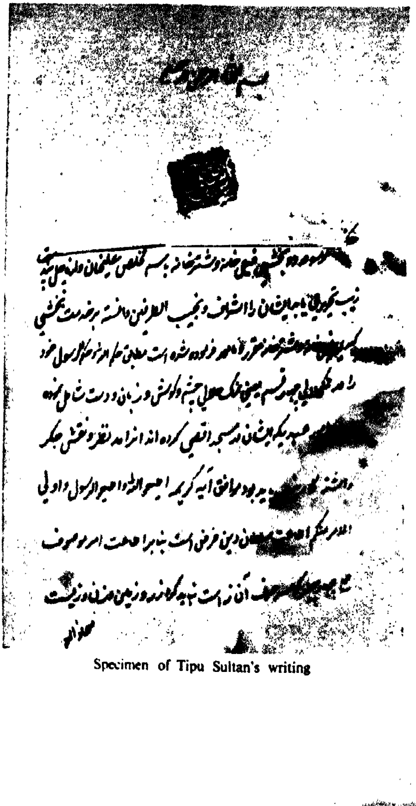
۸. سحر بفتحتین۔ زمان پیش از صبح و سفیدی کہ بالائے سیاہی ظاہر شود

۹. دل شب۔ معروف نیم شب

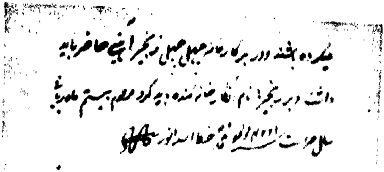
۱۰. جدیدان۔ معروف۔ شب و روز

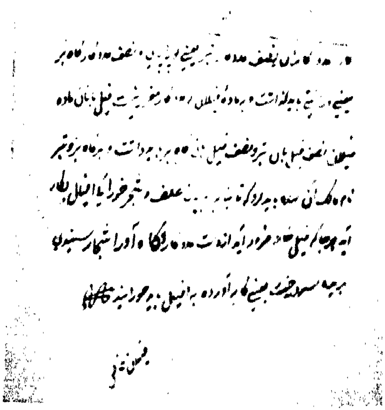
پوری کتاب ۸۱۳ صفحات کراون سائز ہے ہر صفحہ پر تیرہ سطریں ہیں، خط نستعلیق اور اچھا ہے۔ الفاظ سرخی سے اور معنی سیاہی سے لکھے گئے ہیں۔ کاغذ موٹا سرنگا پٹم کا بنا ہوا لگایا گیا ہے، البتہ اخیر کے چند اوراق ایسٹ انڈیا کمپنی کے کاغذ کے ہیں۔ کیونکہ سلطنت خداداد پر قبضہ ہوتے ہی اس کے تمام صنعتی کارخانے تباہ کر دئے گئے۔ کتاب ابھی تک عمدہ حالت میں ہے، کہیں بھی کیڑا نہیں لگا۔ جلد جو معمولی کپڑے کی تھی بالکل بوسیدہ و خراب ہو جانے سے دوسری جلد بندھائی گئی ہے۔

بقیہ "بقیات" میں دیکھئے



Specimen of Tipu Sultan's writing





Specimen of Tipu Sultan's writing

# شہیدِ وطن سے

غوث محی الدین صابر بینزی، اے
فسٹ گریڈ کالج، ٹمکور

اٹھا میسور سے بن کر علم بردارِ آزادی
غلامی کی فضاؤں میں جو تھا بیزار جینے سے
دکھادی راہ آزادی کی ہندوستان کو تو نے
دیا پیغام جینے کا ہر اس انسان کو تو نے

نہ آئی راس تجھکو زندگی ہرگز غلامی کی
مٹا کر چھوڑ دیتا تو نشانِ اہلِ انگلستان
منور تھا ہمیشہ جوشِ آزادی سے تیرا دل
مگر صد حیف تھے غدار تیری راہ میں حائل

لٹا دی جان اپنی شوق سے راہ صداقت میں
کہ اک لمحہ ہے بہتر شیر کا گیدڑ کی صدیوں سے
مثالِ آبِ باراں تو نے اپنا خون برسایا
یہ نکتہ تو نے اپنی جان دے کر خوب سمجھایا

مسلماں بادشہ ہو کر وہ تیرا بے دھڑک کہنا
مسلماں تھا مگر پھر بھی یہی رہتا تھا ہونٹوں پر
جہاں مندر نہیں ہوتا وہاں مسجد کی حاجت کیا
کہ جب ہندو ہوں مشکل میں مسلمانوں کی راحت کیا

نہ بھولے گا زمانہ تجھکو اور تیری شجاعت کو
پڑا ہے گو الگ اک گوشۂ عزلت میں تو لیکن
رہینگے گنبدِ گردوں پہ جب تک چاند اور تارے
بہاتے آج بھی آنسو ہیں تیری یاد میں سارے

جہاں میں تو نہیں تو کیا ترا ہر کام باقی ہے
تجھی سے آج بھی ٹیپو وطن کا نام باقی ہے

# ٹیپو سلطان شہیدؒ ایک نظر

ام محمود پاشا، فائنل ایئر
ویرشیوا کالج، بلاری

۱۱۶۳ھ مطابق ۱۷۵۰ء ۲۰ ماہ ذی الحجہ روز شنبہ کو ریاست میسور کے نصیب جاگ اٹھے کہ اس کے ایک قریہ دیون ہلی میں ٹیپو سلطانؒ جیسی نیک نام ہستی عالم وجود میں آئی، آج ان کا نام ٹیپو سلطان شہیدؒ کی حیثیت سے ہندوستان کے بچے بچے کی زبان پر ہے۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بیگم تھا اور والد ماجد کا حیدر علی جن سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے، ارکاٹ میں ایک بزرگ حضرت ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ رہتے تھے اور وہیں میٹھی نیند سو رہے ہیں، سلطان کی ولادت انہیں بزرگ کی دعا کا نتیجہ تھی، اسی لئے سلطان کا نام وہی بزرگ کے نام ہی پر رکھا گیا

آپ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو انہیں عربی و فارسی کی تعلیم دی گئی اور ساتھ ہی ساتھ فنون سپہ گری اور شہسواری کا درس بھی اعلیٰ پیمانہ پر دیا گیا، صرف پندرہ سولہ برس کی عمر ہی میں سلطان کے اصلی جوہر چمکنے لگے، آپ اپنے والد کے ساتھ ہر جنگ میں شریک ہونے لگے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ایک بہت بڑے سپاہی اور لائق جنرل بن گئے، ۔۔۔ دسمبر ۱۷۸۲ء کو جب کہ آپ کی عمر صرف تیس سال کی تھی، باپ کی مفارقت کا داغ سہنا پڑا، اسی سال آپ تخت شاہی پر متمکن اور جلوہ افروز ہوئے

آپ کی زندگی کے ہر پہلو میں اسلام کی جھلک پائی جاتی ہے، آپ ایک پکے مسلمان ہونے اور مجاہد تھے، آپ کا قدم کبھی حدود شریعت سے باہر نہ نکلا، آپ بالکل سادگی پسند تھے، ہر وقت سادہ اور شرعی لباس آپ کے زیب تن ہوتا، آپ کا طرز گفتگو اتنا ملائم اور شیریں تھا کہ لوگوں کے دل موہ لیتا تھا آپ کی زبان پاک سے کبھی برے اور گندے الفاظ نکلنے نہ پاتے، آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک روزہ زندگی بہتر ہے، آپ اکثر فارسی میں بات چیت کیا کرتے تھے آپ کو کنڑی اور دکنی میں بھی کافی دستگاہ حاصل تھی،

غیرت اور حمیت آپ کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی، آپ کو تضحیک اور تمسخر کی باتوں سے سخت نفرت تھی، آپ میں سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، آپ چاہتے تھے کہ کوئی بھی ان کے سامنے دست بستہ کھڑا نہ رہے اور نہ بوقت سلام زمین بوس ہوا کرے، آپ کے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے اور آداب و سلام غرض ہر ہر حرکت سے سادگی ٹپکتی تھی، آپ میں کبر و غرور نام کو بھی نہ تھا

آپ کا یہ روزانہ معمول تھا کہ علی الصبح بیدار ہوتے اور سب سے پہلا کام جو آپ سے سرزد ہوتا وہ یاد خدا یعنی نماز صبح تھی، پھر ایک گھنٹہ تک تلاوت قرآن مجید میں محو ہوتے، بعد ازیں سیر کے لئے جاتے اور واپسی کے بعد ناشتہ کرتے، غذا بالکل سادہ ہوتی، اکثر دودھ اور پھل ہوتے، ناشتہ کے بعد سلطنت کے کاموں میں مصروف ہوتے، پھر رات کو تناول فرمانے کے بعد تھوڑا وقت چہل قدمی کرتے، پھر نیند آنے تک کسی کتاب کا مطالعہ کرتے، آپ کی خاص خوبی یہ تھی کہ ہر کام سلیقہ اور باقاعدگی سے کرتے اور سلطنت کے کاموں سے کبھی نہ تھکتے تھے روزانہ خط و کتابت کا اکثر حصہ خود آپ کے ہاتھوں سے ہوتا تھا۔

سلطان کا زہد و تقویٰ بہت زبردست تھا، ہر روز بعد نماز صبح تلاوت قرآن مجید ہرگز ناغہ نہ کرتے تھے، آپ نماز کے بہت پابند تھے، آپ میں خوف خدا بہت تھا اور آپ زنا سے اس قدر متنفر تھے کہ زانیوں کو قتل کا حکم دیتے تھے، سلطان حیا کا مجسمہ تھے، ان کی حیا کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی نے ان کے جسم کو سوائے پاؤں، گھٹنوں اور کلائیوں کے برہنہ نہ دیکھا، دوسروں کو بے حیا دیکھنے کے بھی وہ متحمل نہ تھے، اکثر ہوتا ہے کہ بادشاہ اپنے حرم سرا میں صدہا عورتیں رکھ کر خوب رنگ رلیاں مناتے ہیں لیکن ٹیپو سلطان شہید اس عیب سے منزہ و مبرا تھے

وکس جیسا متعصب مورخ اعتراف کرتا ہے :-

" سلطان کے محل میں کبھی تین سے زیادہ بیگمات ایک وقت میں نہ رہیں، سلطان کی شادی دو بیگمات سے ہوئی تھی۔ ان میں ایک کے انتقال کے بعد دوسری بیگم سے شادی ہوئی، سلطان کی شہادت کے وقت کوئی بیگم بھی زندہ نہ تھی "

آپ اپنے والدین کا حد درجہ احترام کرتے تھے، کبھی آپ نے ان کے حکم سے منہ نہ موڑا، بعض اوقات انہیں اپنی والدہ کے سخت الفاظ سننے پڑتے تھے لیکن زبان سے اف تک نہ کہتے۔ آپ اپنی قوم کے پکے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ شہر میسور کے قریب چامنڈی کے پہاڑ پر کالی دیوی کے مندر میں دیوی کو خوش کرنے کی غرض سے انسانوں کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا، سلطان کو یہ بات بے حد ناگوار گزری اور فوراً اس کو سختی سے روک دیا، آپ یتیموں اور بے وارثوں کا بہت خیال رکھتے تھے، آپ نے جا بجا سرکاری خرچ سے یتیم خانے تعمیر کئے، جن میں بچوں کو اسلامی تعلیم دی جاتی تھی، آپ اشاعت اسلام میں کوشاں رہے، آپ کی یہ دلی تمنا تھی کہ ہر بچہ اسلام کے سانچے میں ڈھل جائے، سلطان کی تخت نشینی کے پیشتر جنوبی ہندوستان اور میسور میں غلامی کا رواج تھا، اپنی تخت نشینی کے بعد سلطان نے غلامی کی زنجیر کو توڑ دیا، آپ رحم دل تھے، دوست تو دوست دشمن سے بھی بے حد رحمی کرتے تھے، آپ رعایا پر دربھی تھے، ہر آن اپنی رعایا کی فلاح و بہبودی، آرام و آسائش اور آسودگی کا خیال لگا رہتا تھا، آپ اپنی رعایا کو فارغ البال دیکھنا چاہتے تھے رفاہ عام کے لئے جو اصلاحات آپ نے کئے ان کا کوئی شمار نہیں، سرنگا پٹم کی مسجد اعلیٰ آج بھی آپ کی یاد کو تازہ کر رہی ہے، آپ نہایت دلیر اور شجاع تھے، آپ ایک مجاہد اسلام تھے، آپ کا مذہبی جذبہ ہمیں ایسی بات سے بے خبر نہ کر دے کہ آپ میں بے تعصبی اور مذہبی رواداری تھی، اس بات کا ثبوت ہمیں اس وقت ملتا ہے جب کہ ہم ریاست میسور میں داخل ہوتے ہیں، سب سے پہلے جو عمارتیں ہمیں نظر آتی ہیں وہ ہندوؤں کے قدیم معابد و مندر ہیں، سلطان بذات خود بلند پایہ کے ایک عالم و فاضل تھے، انہیں علم کا اتنا شوق تھا کہ اپنی سرپرستی میں سرنگا پٹم میں جمیع الامور کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی تھی جس کے خاص کتب خانہ میں بیش بہا اور نایاب کتابیں موجود تھیں، پس ٹیپو سلطان ایک ولی، عالم، مجاہد، ہمدرد قوم اور مدبر تھے جن کی مثال آج ہمیں ملنا مشکل ہے۔

افسوس کہ میسور کا یہ انمول رتن اس سے ہمیشہ کے لئے چھن گیا جب کہ ظالم انگریزوں نے ۱۷۹۹ء میں سلطان کو جام شہادت پلا دیا، آپ کو سرنگا پٹم میں اپنے والدین کے پہلو میں لٹا دیا گیا حکومت میسور ہر سال آپ کا عرس مناتی ہے جس میں دور دراز سے لوگ آ کر آپ کے مزار شریف پر عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں۔

# مُجاہدِ اعظم

## اسد
جیوری

بھلا بیٹھے تھے جب ہندوستانی قدرِ آزادی
محبت جب وطن کی بن گئی تھی کاغذِ بادی

تھی سوزاں آتشِ بغض و حسد جب گوشہ گوشہ میں
کیا کرتے تھے بھائی بھائیوں پر خوب بیدادی

زمینِ ہند پر خود غرضیوں کا دور دورہ تھا
عداوت کی عمارت کا تھا قائم سنگِ بنیادی

دیا قصرِ شہنشاہی کا جس دم ٹمٹماتا تھا
عیاں جب ہو رہے تھے ہند کے آثارِ بربادی

مسلط ہو رہے تھے غیر جب آباد صوبوں پر
بچھا رکھا تھا آ کر ہند میں جب دامِ صیادی

عداوت سے بھرے تھے قلب جب ہندو و مسلم کے
ہمیشہ کے لئے لٹنے کو تھا جب خانۂ شادی

یہ حالت دیکھ کر تڑپا ہے دل سلطان ٹیپو کا
نہیں دیکھی گئی اغیار کی جب ان سے کیّادی

مچایا شور تم حب الوطن کا تھام لو دامن
عزیزوں کی عداوت کے بنے ہو کس لئے عادی

تمہاری باہمی یہ دشمنی برباد کر دے گی
مبدّل ہو ہی جائے گی غلامی سے یہ آزادی

گلا خود کاٹتے ہو حرّیت کا اپنے ہاتھوں سے
روا ہرگز نہیں ہے ہندوالوں کو یہ جلّادی

غلامی جن کی قسمت میں لکھی ہو کب وہ مانیں گے
وہ چھوڑیں کس طرح سے شیوۂ اجرائے خیادی

یہ کانٹے اپنے حق میں آپ خود بونا نہیں اچھا
ڈبو کر تم کو چھوڑے گی یہ فرعونی یہ شدادی

سنا جب میر صادق نے کہا آہستہ آہستہ
بجز میرے کوئی ڈھائے گا کیا یہ قصرِ آزادی

اسدؔ اب بھی صدا یہ دے رہی ہے روحِ صادق کی
ہمیں سامانِ ویرانی ہمیں آثارِ بربادی

# کرشنا راج ساگر یا سدِ محی

سیّدہ ملکہ بانو
ایم، اے
مہارانی کالج، میسور

میسور سے بارہ میل شمال بجانب دریائے کاویری پر جو بند تعمیر کیا گیا ہے اس کا شمار بڑے بندوں میں ہوتا ہے، یہ کافی بلند اور طویل بند ہے، اس کے ایک طرف تو تالاب ہے جو ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دکھائی دیتا ہے اور دوسری طرف چمن زار ہے جسے برنداون باغ کہا جاتا ہے، دیکھنے والے اسے فردوس ارضی قرار دیتے ہیں، یہ ایک عجیب سیرگاہ ہے، جس میں چاروں طرف فوارے، چھوٹے چھوٹے آبشار، رنگ برنگی پھولوں کے تختے وغیرہ سب لوازم موجود ہیں، اس کی ترکیب شالامار باغ لاہور کے نمونے پر ہوئی ہے، رات کو رنگین قمقموں کی روشنی میں فوارے ایک عجیب سماں پیش کرتے ہیں، غرض

یہ جنت نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے

اس بند کی تعمیر ریاست میسور کے پچھلے مہاراجا سری کرشنا راج وڈیر کے عہد میں انہیں کے ایما سے ہوئی تھی، یہ باغ بھی انہیں کی ایجاد ہیں اور ان کی تزئین میں ریاست میسور کے مشہور وزیر اعظم امین الملک سر مرزا اسمٰعیل کا بڑا حصہ رہا ہے مگر شاید بہت کم لوگوں کو اس حقیقت کی خبر ہوگی کہ اس عظیم الشان تعمیری کارنامے کا بانی مبانی ہندوستان کا پہلا علم بردار آزادی اور جنوبی ہند کا وہ مشہور و معروف بہادر سلطان ٹیپو شہید تھا جس نے انگریزوں سے ناکوں چنے چبوائے تھے، یہ بندا سی رعایا پرور اور دور اندیش سلطان کی فکر و نظر کی پیداوار ہے، اس بند کے داخلے کے صدر دروازے میں ایک سنگین فارسی کتبہ اور اس کے مقابلے میں اس کا انگریزی ترجمہ لگا ہوا ہے، تماشائیوں کو چاہیئے کہ اس کی زیارت کریں اور اس حقیقت سے آگاہ ہوں یہ آں جہانی مہاراجا صاحب کی حق پسندی کا بین ثبوت ہے کہ انہوں نے یہ کتبہ پوری دیانت داری کے ساتھ وہاں نصب کرا دیا، یہ کتبہ فارسی میں ہے، پتھر اتنا اچھا نہیں، خط جلی تو ہے مگر اتنا خوب صورت نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑی عجلت سے عبارت کندہ کرا دی گئی ہے یا اس پر خاص توجہ نہیں دی گئی جیسا آج کل کیا جاتا ہے، کتبہ کی عبارت یہ ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بتاریخ بست و نہم ماہ تقی سال شاداب ۱۲۲۱ یکہزار و دو صد و بست و یک و تقش مولود محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطابق بست و ہفتم شہر ذیحجہ ۱۲۱۲ سنہ یکہزار و دو صد و دوازدہ دوشنبہ ہجری نبوی علی الصبح پیش از طلوع آفتاب در طالع ثور و ساعت زہرہ شروع سد محی کہ بسمت مغرب دارالسلطنت واقع است بفضل الٰہی و اعانت حضرت رسالت پناہی خلیفۂ زمین و زمان شہنشاہ دوران جناب ظل اللہ الملک المنان حضرت ٹیپو سلطان نصر اللہ ملکہ و خلافتہ در درمیان کاویری بنا فرمودند الشروع منا والاتمام علی اللہ، و در روز بنا گردش دہر

و مشتری در برج حمل قران السعدین میدانست بود تعالی
سد کہ تا ایام الخاد قائم و ماندہ بر دوام ثوابت خواہد
بود بنا بر تیاری سد مرقوم آن چکہ زر از سرکار خداداد
لکھہا خرچ شدہ محض فی سبیل اللہ نمودہ شد سوای
زراعت قدیم زراعت جدید ہر کہ در زمین غیر مزروعہ
کند در محاصل از قسم اثمار و غلہ بسرکار خداداد شش حصہ
دیگر آن چکہ باشد در آن چہارم حصہ فی سبیل اللہ معاف
است سہ حصہ بسرکار خداداد بدہد و زمین زراعت نو
ہر کہ می کند تا قیام ارض و سما براولاد و احفاد صاحب
زراعت قائم و بحال باشد، اگر کسے تعلل درزد و مانع
این خیرات جاریات گردد آن ناکس مثل شیطان لعین دشمن
دین و نوع بشر نطفہ مزارعین بلکہ نطفہ تمامی مخلوقین است

بخط سید جعفر

اس عبارت کا اردو ترجمہ بھی پیش کیا جاتا ہے

ابتدائے تاریخ ماہ تقی سال شاداب ۱۲۲۱
ایک ہزار دو سو اکیس بمطابق ستائیس ماہ ذی الحجہ ۱۲۱۲ھ
ایک ہزار دو سو بارہ ہجری نبوی دو شنبہ کی صبح کو
سرور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت، طلوع آفتاب سے پہلے
ثور (برج) کے طالع اور زہرہ کی گھڑی میں سد کی
(کی تعمیر) شروع ہوئی جو دار السلطنت کے مغرب جانب
واقع ہے، خدا کے فضل اور حضرت رسالت پناہی کی اعانت
سے خلیفہ زمین و زمان شہنشاہ دوراں جناب ظل اللہ
الملک المنان حضرت ٹیپو سلطان خلد اللہ ملکہ و خلافتہ
نے کاویری کے درمیان بنا فرمائی، الشروع منا
والاتمام علی اللہ، بنا کے دن سورج، چاند، زہرہ اور
مشتری کا برج حمل میں قران السعدین تھا، خدا کی مدد سے
یہ بند بر دوام ثوابت کی طرح قیامت کے دن تک قائم رہے
گا، اس بند کی تیاری پر سرکار خداداد کا جو لاکھوں روپیا
خرچ ہوا ہے وہ صرف فی سبیل اللہ خرچ کیا گیا ہے،
زراعت قدیم کے سوا جو شخص غیر مزروعہ زمین میں نئی زراعت
کرے، اس سے جو پیداوار اور غلہ وغیرہ حاصل ہو، وہ مزارع
رعایا سرکار خداداد کو جو کچھ (لگان) ادا کرتی ہے، اس کا
وہ صرف تین چوتھائی سرکار خداداد کو دے، اس کا
چوتھائی حصہ فی سبیل اللہ معاف ہے، جو شخص بھی نئی
زمین میں زراعت کرے گا وہ اس کی اولاد اور وارثوں
پر زمین و آسمان کے قیام تک بحال اور قائم رہے گی
اگر کوئی خلل ڈالے اور اس خیرات جاریات میں رکاوٹ
پیدا کرے تو وہ نااہل شیطان لعین کی طرح دین اور
نوع بشر کا دشمن، زراعت کرنے والوں کی نسل بلکہ تمام
تمام مخلوقات کی نسل ہے۔

بخط سید جعفر

اس کتبہ سے یہ حقیقتیں معلوم ہوتی ہیں

۱۔ کرشنا راجہ ساگر ڈیم جو آج زراعت کی ترقی اور وسعت اور بجلی کی پیداوار کا قابل تعریف ذریعہ بنا ہوا ہے۔ اس کی بنا آج سے ایک سو اٹھاون برس قبل میسور کے اسلامی عہد میں پڑی۔

۲۔ اس کی بنا حضرت ٹیپو سلطان شہید نے ڈالی اور یہ سنگ بنیاد اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا

۳۔ اس کی بنا ۲۷ ذی الحجہ ۱۲۱۲ھ مطابق 15 جون 1797ء کو ڈالی گئی، سلطان کی شہادت سے پورے گیارہ مہینے پہلے، شہادت ۲۸ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ کو واقع ہوئی۔

۴۔ نجوم اور دین و مذہب کے مسلمات اور معتقدات کے

مطابق ایک مبارک مہینے میں ایک مبارک دن اور ایک مبارک وقت اس کام کا آغاز ہوا، ظاہر ہے کہ بسم اللہ سے اس کی ابتدا ہوئی اور حضرت رسول مقبول کے نام پاک کی برکت بھی اس میں شامل ہے، اس کی بنیاد ڈالتے ہی دیں سلطان اور آپ کے ساتھیوں نے فجر کی نماز ادا کی ہوگی۔

۵۔ اس کا نام سلطان نے اپنے یا اپنے آباؤ اجداد کے نام نہیں بلکہ خدائے بزرگ و برتر کے نام پر رکھا اس نام سے یہ بند اسم با مسمیٰ ہے کیوں کہ اس نے اس علاقے کو زندگی اور آبادانی بخشی دی ہے

۶۔ سرکار خداداد نے اس کے آغاز پر کافی روپیہ خرچ کیا

۷۔ سلطان رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ خرچ کیا، رعایا کی خوش حالی اور زراعت کی ترقی کے لئے فی سبیل اللہ کیا۔

۸۔ سلطان کی رعایا پروری کا یہ عالم تھا کہ اس بند کی آب رسانی سے جن نئی زمینوں میں زراعت ہونے والی تھی اس کی لگان میں بھی چوتھا حصہ معاف کر دیا اور وہ زمینیں ان کاشت کاروں پر گویا قیامت تک کے لئے وقف کر دیں

اس کتبے کا ترجمہ جو انگریزی میں کندہ کرا کے وہیں نصب کرایا گیا ہے کچھ غلط ہے، اس پر نظر ثانی ضروری ہے۔

اس کی بنیاد کے صرف گیارہ مہینے بعد سلطان کی شہادت واقع ہو گئی اور یہ گیارہ مہینے سلطان کی مدت عمر کے نہایت ہی پر آشوب مہینے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طرف آپ کی حکومت کافی توجہ نہ دے سکی، شاید کچھ حصہ تعمیر ہوا اور مرور زمانہ نے اسے بھی باقی نہ رکھا، شہادت کے بعد جو تہلکہ مچا اور انقلاب آیا اس نے اس واقعہ کو بھلا دیا۔

آں جہانی مہا راجا سر کرشنا راج وڈیر کو زراعت کی ترقی کی فکر ہوئی تو آپ کی زیر ہدایت ملک کے بہترین انجینیروں نے جرمنی، انگلستان اور امریکا کے ماہر انجینیروں کی رہنمائی میں بند کے لئے یہی مقام انتخاب کیا، جہاں پہ کھدائی شروع ہوئی اور یہاں سلطان کا رکھا ہوا یہ سنگ بنیاد برآمد ہوا، یہ واقعہ سنہ ۱۹۱۱ء کا ہے، یعنی اس کے سلطانی آغاز سے ایک سو تیرہ برس بعد، یہ کتبہ دیکھ کر حکومت میسور کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، اس نے تعظیم اور تحسین کے جذبے سے متاثر ہو کر یہ سنگ بنیاد عزت کے ساتھ وہاں نصب کرا دیا

اس سے سلطانی انجینیروں کی صلاحیتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو کام انہوں نے کیا تھا وہی ہندوستان، جرمنی، انگلستان اور امریکا کے ماہر انجینیروں نے متفقہ کوششوں سے کیا، سلطان کو متعصب مورخوں نے ایک بھیانک اور ڈراونی شکل میں پیش کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، یہ ایک ہی ثبوت اس حقیقت کے اظہار کے لئے کافی ہے کہ وہ ملک کی آبادانی اور رعایا کی فلاح و بہبود کے کتنے خواہاں اور اس میں کس قدر کوشاں تھے، آج بھی گویا سلطان کی روح ریاست کی زندگی کے ہر پہلو میں کارفرما ہے، اور اس چمنستان کے برگ و گل پہ انہیں کا رنگ جلوہ گر ہے۔

# ٹیپو سلطان شہید

ماہر القادری

آخری ہچکی نے دی اللہ اکبر کی صدا
نزع کے لمحات میں بھی تو نے کی باطل سے جنگ

تو نے کی تجدید پیمان شہید کربلا
تو نے بتلایا حفاظت جان کی ہے عذر لنگ

جان دی اور کس قدر مسرور ہو کر جان دی
موت تھی تیرے لئے گویا نگار شوخ و شنگ

تیغ کی جھنکار پر کرتی تھی تیری روح وجد
تیرے گوش و قلب تھے ناآشنائے عود و چنگ

وہ تو یہ کہئے کہ اپنے ہی پرائے ہو گئے
مٹ گیا تھا ورنہ سطح ہند سے نقش فرنگ

# شہادت جنگ سلطانی

**محمود خاں محمود بنگلوری**
مورخ سلطنت خداداد

"شہادت جنگ سلطانی" ایک مثنوی ہے جس میں ٹیپو سلطان شہیدؒ کے حالات نظم کئے گئے ہیں، یہ کتاب جس کا میں "محزن" کے اس خاص نمبر میں ذکر کر رہا ہوں، ایک اہم تاریخی دستاویز ہے جو زوال سلطنت خداداد پر ایک نئی روشنی ڈالتی ہے، یہ تاریخ کی خوش نصیبی ہے کہ یہ قلمی کتاب جس کی کوئی نقل باوجود تلاش کے کہیں نہیں ملی، زمانہ کی دستبرد سے محفوظ رہ کر اب دریافت ہوئی ہے، اور غالباً یہ پہلی کتاب ہے جو فارسی یا دکنی (اردو) زبان میں سلطان کے حالات پر لکھی گئی ہے، اب تک یہی خیال کیا جاتا ہے کہ "نشانِ حیدری"، جو فارسی زبان میں ہے سلطان کے حالات میں پہلی کتاب ہے، نشانِ حیدری کلکتہ میں کپتان فرزید کی نگرانی میں مورخ کرمانی نے لکھی تھی جو سلطان کی ملازمت میں تھا اور سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں کا ملازم ہوگیا، اس نے یہ کتاب سلطان کی شہادت کے تقریباً آٹھ سال بعد لکھی تھی، لیکن اب جس کتاب کا ذکر میں کر رہا ہوں وہ سلطان کی شہادت کے ڈھائی سال بعد لکھی گئی ہے، اس طرح اس کتاب کو سلطان کے حالات پر اولین کتاب کہا جاسکتا ہے،

میں نے یہ کتاب کئی دفعہ پوری پڑھی اور جن واقعات کا اس میں ذکر ہے انہیں دوسری روایتوں سے جو ٹیپو کی دوسری انگریزی تاریخوں اور نشانِ حیدری وغیرہ میں ہیں موازنہ کیا تو اس کو صحیح پایا، جہاں تک کہ ذاتی اور میسور کی چوتھی جنگ کے حالات ہیں، مصنف نے انہیں واضح طور پر دکھایا ہے، لیکن افسوس ہے کہ میسور کی دوسری اور تیسری جنگ اور مرہٹوں اور حیدرآباد سے جو لڑائیاں ہوئیں، انہیں مصنف کی اختصار پسندی نے حذف کر دیا ہے، ممکن ہے کہ مصنف نے انہیں غیر اہم سمجھا ہو اور میسور کی چوتھی جنگ جس کے نتیجے میں سلطان کی شہادت ہوئی اور سلطنت خداداد مٹ گئی مصنف کی نظر میں نہایت اہم تھی، اسی لئے اس نے اس جنگ کے حالات نہایت شرح و بسط سے لکھے ہیں۔

اس مثنوی کی نہایت اہم تاریخی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اس راز پر سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے جو سازش کی وجوہات پر پڑا ہوا تھا، اگرچہ مقامی روایات اور بہت سی تاریخوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ وزیروں اور امیروں کی غداری سے سلطنت خداداد پر زوال آگیا لیکن کوئی تحریری ثبوت نہیں تھا، اس لحاظ سے یہ پہلی کتاب ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ سلطان کے وزیروں اور امیروں نے کیوں غداری کی تھی

**کتاب کا نام**۔ کتاب کے سرورق یا کسی اور جگہ کتاب کا نام نہیں ہے، البتہ ایک جگہ مصنف نے ایک مضمون کا جو عنوان قائم کیا ہے، اس میں لکھا ہے۔

قلم لے اب لکھوں قصہ شہادت اکبر ثانی
مبارک نام جس کا ہے شہادت جنگ سلطانی

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب کا نام شہادتِ جنگ

سلطانی رکھا ہے، لیکن سرِ ورق پر نام نہیں لکھا

کتاب اوسط تقطیع کے ۲۰۶ صفحات پر ہے

اور ہر صفحہ میں ۱۵ ابیات ہیں

کتاب نظم میں مثنوی کی طرز پر ہے، مصنف

نے جس زمانے میں یہ کتاب لکھی تھی، اس زمانے میں دکنی شعرا

اپنی طبیعت کی جولانی دکھانے کے لئے مثنوی کا میدان ہی انتخاب

کرتے تھے، اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ رزم، بزم اور واقعہ

نگاری کے لئے مثنوی ہی بہترین صنف ہے،

مصنف نے مثنوی میں جس زبان کا استعمال

کیا ہے وہ اس وقت کی مروجہ اور دکنی زبان ہے جو تمام

جنوبی ہند میں بولی اور لکھی جاتی تھی، اس زمانے کی تمام

کتابیں اسی زبان میں ہیں، اس زبان میں لکھنا باعث فخر

سمجھا جاتا تھا، مشہور مصنف مولانا باقر آگاہ ویلوری

جو مصنف مثنوی کے ہمعصر ہیں اپنی ایک تصنیف میں لکھتے

ہیں

ہے دکنی میں جگہ ہات یتی اگر النظر منکم کہے نصرتی

گر اردو کی اکثر بھی کم بین نہاں تو سودا کا سب سودو چھوڑ یاں

ایک اور کتاب میں انہوں نے لکھا ہے

دکنی میں لکھا ہوں اس لئے میں تا بوجھے گی عوام کے تیں

آسرے لیاں چھ موراتے پڑھنے سی اکثر پاویں لذات

سنہ تصنیف ۱۲۱۶ ہجری ہے یعنے سلطان کی شہادت

کے تقریباً تین سال بعد، لکھا ہے

ہزار ایک دو سو بھی سولہ میں سال

مرتب کیا او رجب کے سال

(وفات سلطان کی شہادت ۲۹ ذی قعدہ ۱۲۱۳ ہجری

میں ہوئی تھی)

مصنف نے کہیں اپنا پورا نام نہیں لکھا، صرف غوثی پر

اکتفا کی ہے اور یہی تخلص بھی ہے، اور اپنے والد کا نام

میر احسن اللہ بتایا ہے اس لئے قرین قیاس ہے کہ ان کا پورا

نام "میر محمد غوث" ہوگا

**وطن**:۔ مصنف نے اپنے آپ کو ساکن چنگل پٹ لکھا

ہے، لکھتے ہیں۔

ہوں میر احسن اللہ کا غوثی پسر

چنگل پٹ وطن ہے جو میرا نگر

چنگل پٹ مدراس کے قریب ایک مشہور شہر ہے جو علم و فن

کا مرکز رہا ہے، یہاں بہت سی باکمال ہستیاں گذری ہیں

جن میں امجدی ایک مشہور شاعر گزرا ہے، اس نے "انور نامہ"

کے نام سے ارکاٹ کی تاریخ پر ایک ضخیم مثنوی لکھی ہے،

چنگل پٹ ویلور اور ارکاٹ سے بھی قریب ہے جو مسلمانوں

کے دورِ حکومت میں علم و کمال کے مرکز تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کتاب صاحب حال و قال

تھے، وہ اپنے آپ کو ایک درویش عالی مقام بندہ علی شاہ

کا مرید بتاتے ہیں

تھے بندہ علی شاہ مشہور نام

شب و روز حاضر تھا غوثی غلام

انہوں نے اس کے بعد اپنے دو استادوں کے نام

لکھے ہیں، ان میں ایک ملا شریف ہیں جو محمود بندر

(پورٹو نووو) میں رہتے تھے، ان کے متعلق لکھا ہے:۔

تھے محمود بندر میں ملا شریف

انھا علم کا ان کو والا ظریف

اور دوسرے استاد کوئی شاہ محمد علی

صاحب تھے، لکھتے ہیں

میرے تھے شاہ استاد محمد علی — کروں کیا میں تعریف انکی دلی
بھی تھے استاد عالی وقار — جو اب لکھیے نام ان کا شمار
میں ناقص تھا ان پاس ایا میں — بہت علم کی قدر پایا ابھی

**رسم الخط** ۔ نستعلیق معمولی ہے

کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نقل نہیں بلکہ اصل نسخہ ہے، کیونکہ جیسا کہ دستور ہے، آخر میں "نقل شد" لکھا نہیں گیا ہے، اس کے علاوہ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، مصنف نے کتاب کا نام بھی سر ورق پر نہیں لکھا ہے، جو شاید بعد میں لکھنا چاہتے تھے اور نہیں لکھا، درمیان میں عنوان کا ایک شعر بھی چھوٹ گیا ہے، اس کو بھی شاید بعد میں لکھنا چاہتے تھے، کتاب کے آخر میں مصنف نے لکھا ہے کہ اس میں ۶۷۵ شعر ہیں، لکھتے ہیں

کیا داستاں سب کتاب پنج بیس
کیا بیت چھ سو پہ پنجاہ پچیس

یعنی پچیس عنوانات کو ملا کر کل ابیات ۶۷۵ ہیں۔ میں نے شمار کیا ۶۷۴ ابیات ہوئے

ان وجوہات کی بنا پر میرا خیال ہے کہ یہ اصل نسخہ ہے اور مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا

**وجہ تصنیف** ۔ مصنف نے لکھا ہے کہ ایک شب انہوں نے سلطان کی شہادت کا ذکر کیا تو اسی شب میں عالم رویا میں سلطان کو دیکھا۔ سلطان سے انہیں حکم ہوا کہ جو حالات معلوم ہوئے ہیں، انہیں لکھدیا جائے۔

میں ایک رات شہ کی شہادت کیا — جو میں رات کو شہ لا یوں دیا
راذکر ظاہر توں کر سب کے تئیں — خدا واقت تک دے مجکو نہیں
بنا ہن لت کر میں لیا تھا قلم — جو نظم کرنے اٹھایا قلم

اس سے پہلے کی فرمائش کا ذکر ہے اور وہ اس طرح ہے

کہ دوست میرے مجھے کہہ تھا — کہو جنگ شاہ کا بنا کر کتاب
رہن بائو لہور مشہور تر — محمد غفور اسم ان کا لکھو
اتنی جلدی لو ہیں دونو ایک — رہیں شاعر سعیاں میں نیک

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے ایک دوست محمد غفور ساکن دیلور نے ان سے ایک کتاب کی فرمائش کی تھی اور اس کے علاوہ عالم رویا میں بھی انہیں سلطان سے جب حکم ہوا تو انہوں نے یہ مثنوی لکھی۔

اس قدر حالات کتاب کے متعلق لکھنے کے بعد مصنف نے کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اس کے متعلق معلوم نہیں ہوتا کہ واقعات اس کو کہاں سے ملے، اس نے لکھا ہے کہ وہ جنگل پیٹ کا باشندہ ہے جو سرنگاپٹم سے بہت دور اور انگریزی عملداری میں تھا، سنے سنائے واقعات اس طرح نہیں لکھے جاتے، ممکن ہے کہ مصنف سرنگاپٹم میں رہا ہو اور فوج میں ملازم بھی ہو کیونکہ گلشن آباد کی جنگ میں سلطانی فوج کے شکست کے اسباب پر بھی اس نے بحث کی ہے سوائے ایک فوجی سپاہی کے کسی غیر فوجی کا خیال وہاں تک رسائی نہیں کر سکتا اور اسی طرح اس نے مہتاب باغ کی لڑائی کا بھی ذکر کیا ہے، چونکہ اس مثنوی کے لکھنے تک دوسری انگریزی یا فارسی کتابیں نکلی نہیں تھیں اس لئے یقین کرنے کے وجوہات موجود ہیں کہ مصنف سرنگاپٹم میں موجود تھا اور لڑائیوں میں حصہ لیا تھا

ممکن ہے کہ مصنف اپنے ذاتی حالات میں یہ سب لکھتا مگر ملک پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا اس لئے اس نے انگریزوں کے خوف سے اپنے حالات تفصیل سے نہیں لکھے کہ پکڑا نہ جائے۔ کتاب سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کتاب سرنگاپٹم میں لکھی گئی یا جنگل پیٹ میں ممکن ہے کہ

چاکل پچھی ہی لکھی گئی ہو، مصنف نے لکھا ہے کہ وہ شاکی شبیہ کا ذکر (خانہ) دوست احباب کی محفلوں میں کیا کرتے تھے۔ سرنگاپٹم میں اسے لئے ممکن نہیں تھا کہ انگریزوں کا قبضہ اس پر ابھی ابھی ہوا تھا اور وہ اسکے مسلمانوں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔

# آغاز کتاب

کتاب کا آغاز حمد و نعت اور خلفائے راشدین اور حضرت محبوب سبحانی غوث ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی کی توصیف سے شروع ہوا ہے اور یہ بیان پورے پانچ صفحات پر ہے اور بعد کے تین صفحات پر اپنے پیر اور استادوں کی تعریف کرتے ہوئے وجہ تصنیف لکھی ہے، سلطان کے حالات صفحہ ۸ سے شروع ہوئے ہیں،

مصنف نے اپنی کتاب کو سلطان کی تخت نشینی سے شروع کیا ہے، اور ان ایجادات اور لال باغ کا ذکر کیا ہے جو تخت نشینی کے بعد سلطان نے جزیرہ سرنگاپٹم کے مشرق کونے پر بنایا تھا، (سلطان نے اسی باغ میں گنبد اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی اور ان سے کچھ فاصلہ پر ایک رنگین بارہ دری بنائی تھی جو بعد میں لارڈ ولیم بنٹنگ کے حکم سے مسمار کردی گئی، اس کے آثار ابھی تک کھیتوں میں نظر آتے ہیں (اب اس باغ کے دروازے کے صرف دو برج باقی رہ گئے ہیں جو گنبد کے نوبت خانے کے بالکل قریب اور مشرق میں تھا) سلطان کے اس لال باغ کا ذکر مصنف نے نہایت تفصیل سے کیا ہے، (اس کی تصدیق بکانن کے سفرنامے اور ولکس کے تذکرے سے بھی ہوتی ہے) لکھا ہے:۔

کروں ابتدا باغ کی داستاں — جسے ہر یک ملک سوں باغباں
ہر ایک تخم کا او منگائے تخم — لگائے لے جونکو او باغ ارم
ہوا جب حکم باغباں کوں تمام — کہ جاری کرو جو کہ اپنا ہے کام

کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے باغ کا افتتاح جمعہ کے دن کیا تھا اور خطبہ اور نماز یہیں پڑھی تھی، لکھا ہے

صبا دن جمعہ کا ہے سب نیک روز — جو خطبہ پڑھیں چل کے اک دل فروز

سلطان کو صنعت و حرفت سے جو شغف تھا اس کے متعلق مصنف نے لکھا ہے

کہ یک روز وہ صاحب ہوش ور — جو ارکان دولت بلا اپنے گھر
کہے کہ ہر یک سوں آتی ہے چیز — دو بھی آنے کو دیر رہتی ہے نیز
سب کیا جو محتاج آنوں ہاں — مگر ساخت ہر ایک کی کر یہاں

(یعنی سلطان نے ایک دن اپنے ارکان دولت کو بلاکر کہا کہ ملک میں ہر چیز باہر سے آتی ہے اور آنے تک بہت دیر لگتی ہے، اس لئے کیوں نہ ہر چیز اپنے ہی ملک میں بنائی جائے)

اس کے بعد کاریگروں کو باہر کے ملکوں سے بلاکر کام شروع کرنے کا ذکر ہے، اور بہت سی صنعتوں کے نام دیے ہیں جیسے تلواریں، بندوقیں، توپیں، گولے، گولیاں، تافتہ، مشروع، اطلس، بانات، مخمل اور ہری رنگ کا لباس وغیرہ (ان تمام صنعتوں کی تصدیق انگریزی تاریخوں سے بھی ہوتی ہے بلکہ انگریزی تاریخوں میں اور زیادہ صنعتوں کے نام دیے گئے ہیں جیسے وقت بتانے کی گھڑیاں، آئینے وغیرہ)

مصنف نے سلطان کے ذاتی حالات، زہد و اتقا، عبادت الٰہی اور پنج وقتہ نماز کی ادائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سلطان کو ورزش کا بھی نہایت شوق تھا

" نوٹ:۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ سلطان پنج وقتہ نماز

ثابت پابند تھا، اس کے زہد و اتقا کا ذکر اس کے دشمنوں نے بھی کیا ہے، ورزش کے متعلق کرنل کرک پیٹرک نے لکھا ہے کہ میدان جنگ میں بھی وہ وقت مقررہ پر ورزش کیا کرتا تھا"

مصنف نے صفحہ ۱۵ اور ۱۷ پر فقیروں کی امداد اور امتناع شراب نوشی کا ذکر کیا ہے، مصنف نے فقیروں کے جو حالات لکھے ہیں وہ آج کل کے حالات سے کچھ مختلف نہیں ہیں، سلطان کے ذاتی حالات میں اس کا شادیاں کرانا، ختنہ کرانا، حاجیوں کو حج کو روانہ کرنا اور لنگر خانے اور شفا خانے کھولنے کا ذکر ہے

کتاب میں سب سے اہم ذکر صفحہ ۲۶ سے شروع ہوا ہے، یہاں سے میسور کی چوتھی جنگ کا حال شروع ہوا ہے، اس میں سب سے پہلے میر صادق کا ذکر ہے اور وہ اس طرح ہے

وزیروں میں شاہ کے تھا ایک خر
اتھا نام اس میر صادق مکر

میر صادق کے پچھلے حالات میں لکھا ہے کہ سلطان نے اس کو غبن کا الزام دیا تھا، اس نے قرآن مجید پر قسم کھائی کہ آئندہ وہ ایسا نہ کرے گا۔

لیکن اس کا دل سیاہ ہو چکا تھا[۱] اس لئے "متعدد بار" وزیر ہونے کے بعد جو کچھ کیا اس کے متعلق مصنف نے لکھا ہے :-

جو سلطان سوں او بدی کوں تکا | کہ نام فتوری کا بے شک لکھا
کئے ارکان دولت طے اس کے سات | جلانے فرنگیاں سین کرنے کو گھات
تمہیں مستعد کر کو لشکر تمام | کر دو کوچ جلدی سوں لیو مقام
کہی ہے جو بالا میراث کے | حکم ہے میر اب او لشکر کے
کہ یک قول تمارے سوں کام | تخت شاہ کا نصف دینا تمام

اوپر لکھی ہوئی ابیات میں چند باتیں قابل غور ہیں، اس میں شک نہیں کہ امیروں اور وزیروں کی غداری سے سلطنت تباہ ہوئی، اور جو نام شد و مد سے میسور میں لئے جاتے ہیں ان میں میر صادق کے ساتھ دیوان پورنیا اور راجہ نو انط کے نام بھی شامل ہیں، لیکن یہاں مصنف نے پورنیا اور راجہ نوانط اور دوسرے امیروں اور وزیروں کے نام نہیں دئے ہیں، اس نے

"دو کئی ارکان دولت طے ان کے سات"

لکھ کر اپنے فرض سے سبک دوشی حاصل کی ہے، لیکن جو نئی بات اس مصنف نے ظاہر کی ہے اور جس کی وجہ سے اس مثنوی کی تاریخی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے، وہ یہ ہے کہ میر صادق نے انگریزوں سے سلطان کی نصف سلطنت غداری کے صلہ میں مانگی تھی اور انگریزوں نے اس کو قبول کر لیا تھا۔ کہتا ہے :-

چلایا جو پوشیدہ نامے کوان | بہت خوش فرنگیاں دو ملک کوں
فرنگیاں ہو خوش حالی نامہ لکھے | تو جیتا کہیگا حکم میں ترے
دیوینگا پٹن جو یوں غدر سوں | فرنگے بٹے ہیں سو بھی شاہ کوں
غرض نیت ہمنا ملک مال سوں | اول شاہ کر دے ہو سلطنت

تجھے دیوینگے تخت شاہی تمام
کریں گے سلاماں تجھے صبح و شام

---

[۱] "دل سیاہ ہو چکا تھا" یہ الفاظ مورخ کرمانی کے ہیں جو ہیں نے دہرائے ہیں، کرمانی نے لکھا ہے کہ سلطان نے میسور کی تیسری جنگ کے بعد اپنے تمام مسلمان افسروں کو مسجد اعلیٰ میں قرآن پر قسم کھلائی کہ وفادار رہیں مگر انہوں نے اپنی چال نہیں چھوڑی، ان کے دل سیاہ ہو چکے تھے۔

اوپر کی ان ابیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں نے یہاں بھی وہی کھیل کھیلا جو نصف صدی پہلے بنگال میں سراج الدولہ اور میر جعفر سے کھیلا تھا، جس طرح میر جعفر سے بنگال کے تخت کا وعدہ ہوا تھا اسی طرح میر صادق سے سلطنت خداداد کے تخت کا وعدہ ہوتا ہے

"تاریخ سلطنت خداداد" کو لکھے ہوئے آج بیس سال گزر گئے، اس کے بعد میں نے "صحیفۂ ٹیپو سلطان" لکھی اور ایک کتاب "ٹیپو سلطان" بھی لکھی جو ابھی لاہور میں زیر طبع ہے ان میں میں نے صراحت سے لکھا ہے کہ "سلطنت خداداد کی تباہی کا راز ان کی اختلافات میں ہے جو سلطان اور اس کے وزیروں میں تھے، اور نہ جاگیروں کی ہوس نے ان امیروں اور وزیروں کو غداری پر آمادہ کیا، بلکہ ایک گہرا راز ہے جس پر ابھی تک پردہ پڑا ہوا ہے"

اب اس گہرے راز کو اس مثنوی نے ظاہر کر دیا ہے یعنی یہ کہ تخت سلطنت کی ہوس نے میر صادق کو غداری پر آمادہ کر دیا اور اس کی یہ سازش کامیاب ہوئی

میرا اتنا خیال ہے کہ انگریزوں نے یہ وعدہ صرف میر صادق سے نہیں کیا تھا بلکہ سلطان کے جتنے امیر اور وزیر تھے ان سے علیحدہ علیحدہ تخت سلطنت کے وعدے ہوئے تھے اور میرے پاس اس کے ثبوت بھی ہیں

حیدرآباد کی ایجنسی اس بات کا ثبوت دیتی ہیں کہ سلطان کے امراء وزیر یہ نہیں چاہتے تھے کہ سلطان جنگ میں مظفر و منصور ہو بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ "سلطان میدان جنگ میں مارا جائے" میر صادق نے اس کا راز افشا [illegible] میر معین الدین نے عین دوپہر کے وقت [illegible] کھا کر جزیرہ قلعہ کو قلعہ پر لا لیا، اس کے متعلق مثنوی کے مصنف نے لکھا ہے

| | |
|---|---|
| اٹھا جس طرف میر کاذب حرام | اشارہ کیا جلد تا قسام |

اس سازش کا حال اسی دن جب میر صادق یا سید محمد مہدی نے سلطان کی واپسی کا راستہ (ڈیوڑھی دروازہ) بند کر دیا تو سرنگاپٹم میں کھل گیا اور لوگ ان فوجی میر صادق اور دوسرے وزیروں اور امیروں کو قتل کرنے کے لئے نکلے، ان میں دو تو ان کے ہاتھ آگئے یعنی میر صادق اور میر معین الدین میر صادق کے قتل کا واقعہ لکھنے کے بعد مثنوی کے مصنف نے سلطان کے جنگ میں شریک ہونے اور شہادت پانے کا حال اس طرح لکھا ہے۔

| | |
|---|---|
| دو لشکر بڑا شاہ سنوے پو طام | تو ساقی اجل کا دیا بھر کو جام |
| اٹھے جلد سنوے کون شہر چھوڑ کر | چڑھے جلد اسوار تازی اپر |
| لے برہنہ صمصام شاہِ انام | زنجیاں کو کرنے لگے قتل عام |
| کھڑک سوں کئے شاہ او بے نظیر | سے مار کر بہوت دشمن اسیر |
| کتے یک زنجیاں کے کاٹے سراں | نہ لا تاب بھاگے بہوت جا ہاں |

| | |
|---|---|
| لگی الغرض آ کو ضرب تفنگ | دو نو گوش شاہ کے کیا سرخ رنگ |
| دو جا تینک ضرب آ کو سینہ اپر | جگر گوش شہ کا کیا ب جھجر |
| مبارک بدن پر ہوے زخم کار | دیسے جیوں گل لالہ نرگس میں خار |

شہیدوں کا ساقی دیا جام بھر
گیا شاہ کا روح پرواز کر

میں یہاں کے مثنوی کے متعلق اور زیادہ تفصیل میں جانا نہیں چاہتا، رسالہ میں اس کے لئے گنجائش نہیں ہے لیکن اگر یہ مثنوی شائع ہو جانے کا انتظام ہو جائے تو دیباچہ میں ان تمام امور پر جو مثنوی میں ہیں روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ خدا چاہے تو اس کی طباعت اور اشاعت کا انتظام جلد ہو جائے گا

# داستانِ دکن

علامہ اقبالؒ

آتشی در دل دگر بر کردہ ام — داستانی از دکن آوردہ ام
در کنارم خنجر آئینہ فام — می کشم اورا بتدریج از نیام
نکتۂ گویم ز سلطانِ شہید — زانکہ ترسم تلخ گردد روز عید
پیشتر رفتم کہ بوسم خاک او — تا شنیدم از مزار پاک او

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست

---

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے
بدیں جانباز سلطانے کہ آمد شد چو مہمانے

# سلطانی وفد خلیفہ روم کی خدمت میں

ڈاکٹر بی، شیخ علی
ام اے، پی، ایچ، ڈی

ٹیپو سلطان شہیدؒ ایک اصول کے لئے جیتے رہے اور اسی کے لئے اپنی جان دے دی۔ پچھلے دو سو سال میں ٹیپو سے زیادہ ہوشمند، دوراندیش اور طاقتور دشمن سے شاید انگریزوں کو کبھی سامنا ہوا۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی ہندوستان کو انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اثر سے بچانے کے لئے وقف کر دی، ان کی تمام ساعی کا محور یہی خیال رہا۔ سلطان ہند کی مردہ قوم کو زندہ کرنا چاہتے تھے، ان کے نزدیک ایک بہادر انسان کے لئے دو ہی جگہیں تھیں، عزت کی زندگی یا عزت کی موت، وہ ہمیشہ غلامی پر موت کو ترجیح دیتے رہے اور ان کا ایمان تھا کہ اس روئے زمین پر بدترین لعنت اگر ہے تو غلامی ہے، ان میں دو جذبے بدرجہ اتم کارفرما تھے۔ ایک حب وطن اور دوسرا خدمت اسلام، وہ اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر سے بحال کرنے اور ایک نیا نظام قائم کرنے کا عزم رکھتے تھے، اسی غرض سے مرہٹوں سے نامہ و پیام کئے۔ نظام حیدرآباد کے ہاں سفیر بھیجے، اپنے وزرا اور امرا کی غداریوں کو معاف کیا، فرانسیسیوں سے دوستانہ تعلقات بڑھائے، دور دراز ملکوں سے خط و کتابت کی، افغانستان، ایران اور ترکی کے فرمانرواؤں کے جذبۂ اسلامی کو ابھارا اور چاہا کہ سب متفق ہو کر فرنگیوں کے سیلاب کو روکیں، ہندوستان کے تمام صوبوں کے والیان ریاست سے روابط قائم کرنے کی قابل ستائش کوشش کی، انہیں کوششوں کے سلسلے کی ایک کڑی وہ وفد ہے جو سلطان نے ۱۷۸۶ء میں ترکی کے سلطان عبدالحمید کی خدمت میں بھیجا۔

سلطان پہلے ایشیائی حکمران ہیں جنہوں نے ہندوستان کے مسائل کو بین الاقوامی زاویہ نگاہ سے دیکھا، وہ غیر ممالک سے صرف سیاسی وجوہ کی بنا پر روابط قائم کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ ملک کی تجارتی و معاشی ترقی بھی مقصود تھی، جب انگریزوں کی سیاسی چالبازی اور وسیع ذرائع کا اندازہ، اپنے ملک کے والیان ریاست کی بے اعتنائی، خانہ جنگی اور افراتفری سے کیا، یہ واضح ہو گیا کہ ان سے تائید کی توقع بیکار ہے، نظام اور مرہٹوں کے آپسی اختلافات اور ٹیپو سلطان سے دشمنی کی وجہ فرنگیوں کے قدم مضبوط ہو رہے تھے اس لئے سلطان کو بیرونی ممالک سے تائید طلب کرنی پڑی، فرانسیسی کمپنی مدتوں انگریزوں کے خلاف رہی لیکن اس کمپنی کا اقتدار آپ کے عہد میں گھٹ رہا تھا، فرانس اس وقت ایک نہایت ہی نازک دور سے گزر رہا تھا، جب مشہور عالم انقلاب ظہور پذیر ہونے والا تھا، لہٰذا اس کمپنی کی پالیسی میں جمود، سرمایہ کی کمی اور اس کے افسروں کی کم اندیشی کی وجہ فرانس کی طاقت زائل ہو رہی تھی، اسی وجہ سے سلطان نے افغانستان اور ترکی کی طرف رجوع کیا، زمان شاہ، سلطان سلیم اور

عبدالحمید سے خط و کتابت شروع کی، سلطان ترکی سے
دوستانہ تعلقات بڑھانے کے بہت حامی تھے
مقصد اس جذبہ کے تحت کارفرما تھے، سیاسی مقصد
اولین تھا جس سے انگریزوں کا ہندوستان سے انخلا ہو،
کہ میسور کی تجارتی و معاشی حالت کو خوشگوار بنانا مقصود
تھا، بیرونی ملکوں میں منڈیاں کھولنا اور یہاں کی مشہور
پیداوار جیسے کالی مرچ، الائچی، صندل، ناریل، تمباکو وغیرہ
کے لئے مارکٹ فراہم کرنا مطلوب تھا، اس کے علاوہ ترکی
سب سے بڑی اسلامی ریاست تھی، وہاں کا سلطان
عالم اسلام کا خلیفہ تھا، گو ان کا پہلا سا اقتدار نہ تھا تاہم
اقوام یورپ میں ان کا کافی احترام تھا۔ سلطان بھی خلیفہ
کی بہت عزت کرتے تھے لیکن یہ بات ان کے دل میں کھٹک
رہی تھی کہ انگریز کے قدم یہاں بھی جم رہے تھے، اس لئے
وہ اپنا فرض سمجھ رہے تھے کہ خلیفہ کو انگریزوں کی چالبازی
سے آگاہ کریں، اور سب سے بڑی مملکت کو جو اسلامی ہے،
انگریزوں کے خلاف جہاد پر آمادہ کریں، اسی وجہ سے سلطان
نے متواتر سفیر ترکی بھیجے



پہلا سفارتی وفد عثمان ...
۱۷۸۴ء میں بھیجا گیا تاکہ وہاں کے حالات معلوم کئے جائیں
اور سلطان روم اگر ایک باقاعدہ سفارتی وفد کے
لئے تیار ہوں تو ایک اور وفد بھیجا جائے، سلطان روم
نے آمادگی ظاہر کی اور ۱۷۸۵ء میں چار اشخاص پر مشتمل ایک
وفد بھیجا گیا جس میں غلام علی خان، لطف علی بیگ، شاہ
نور اللہ اور محمد حنیف تھے، غلام علی خان وفد کا سردار تھا
۱۰ / مارچ ۱۷۸۶ء کو یہ وفد منگلور سے "فخر المراکب"،
نیر بخش، فتح شاہی اور غرب سمتی چار جہازوں پر سوار

ہو کر نکلا، جو سلطان روم کے لئے قیمتی تحفے اور میسور کے
نوادرات لے رہے تھے، جہاز ۲۲ / جون ۱۷۸۶ء کو مسقط
پہنچے جہاں مسقط کے امام سعید انہیں لینے آئے، وفد کے
سکریٹری عبدالقادر نے اس سفر کے سب حالات قلمبند کئے ہیں
جو نہایت دلچسپ ہیں، ملکوں کا جغرافیہ، آب و ہوا، سیاسی
سماجی حالات، اشیا کی قیمتیں اور سکوں کے تبادلے شرح وغیرہ
درج ہیں، راستہ میں ایک جہاز فخر المراکب پر کاری ضرب
آئی اور دوسرا جہاز کرایہ پر لیا گیا، ۲۲ / جولائی ۱۷۸۶ء
کو وہ بوشہر پہنچے جہاں ایک تجارتی منڈی کھولنے کے
سلسلہ پر حکام سے گفت و شنید ہوئی، بصرہ کے گورنر
ابراہیم آغا کو اطلاع دی گئی کہ وفد وہاں آئے گا، بوشہر
میں ایک سفیر محمد حنیف کا انتقال ہو گیا، بوشہر کے گورنر
شیخ ناصر نے منگلور میں ایک تجارتی منڈی کھولنے کی اجازت
چاہی، وہاں سے وفد عازم بصرہ ہوا جہاں ایک اور جہاز
نیر بخش کو آگ لگ گئی جس سے پچاس ہزار روپوں کا نقصان
ہوا، فرانس کے تجارتی ایجنٹ مقیم بصرہ موسیو روسو
اور موسیو ایڈورڈ سے ملاقات ہوئی، مقدس مقامات
جیسے نجف، کربلا، بغداد اور کاظمین کی زیارت کی گئی، ۲۰ /
دسمبر ۱۷۸۶ء کو خبر ملی کہ دو جہاز فتح شاہی و غرب سمتی
بھی ڈوب گئے، ۹ / دسمبر کو وہ چار کشتیوں پر سوار ہو کر
بغداد پہنچے، پہلے خبر ملی تھی کہ بغداد کا گورنر
معزول کر دیا گیا ہے، وہ بصرہ لوٹ آئے لیکن یہاں پتہ
چلا کہ یہ خبر غلط تھی، دوبارہ بغداد پہنچے، اس دوران
میں تین ماہ نکل گئے، دارالخلافہ سے انہیں لے جانے کے لئے
ضروری احکام ابھی نہیں آئے تھے اور جب وہ آئے تو
غلام علی خان اور نور اللہ خان میں اختلافات شروع

وہ گنگا کا] عراق پاشا سے وابستگی اختیار کریں، آخر کار کلکتہ میں سفر کیا، ۳۰ رجب ۱۲۰۱ھ کو بغداد سے نکلے، وہاں سے موصل اور دیار بکر ہوتے ہوئے قسطنطنیہ پہنچے۔

دار الخلافہ میں سفیروں کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا، ہر جگہ ان کی عزت کی گئی، امراء و وزراء سے ملے اور اپنی آمد کا مقصد بتایا، خلیفہ سے باریابی کا شرف بھی حاصل ہوا، انہوں نے سلطان کا مراسلہ خلیفہ عبدالحمید کے نام کا پیش کیا جس کو ترکی کے ایک پروفیسر حکمت بیاور نے حال ہی میں شائع کیا ہے، وہ یہ ہے

"پچھلے چند سال میں خاندانِ تیموریہ کی کمزوری اور اربابِ سلطنت کی کوتہ نظری کی وجہ عیسائیوں نے تجارت کے بہانے ہندوستان کے ساحل کے چند حصے اپنے تصرف میں لے لئے، اور یہاں کے حالات کا بخوبی اندازہ پا گئے، رفتہ رفتہ ان کی ایک کثیر تعداد مغرب سے آئی اور دھوکے سے کئی ایک شہروں اور ریاستوں پر جیسے بنگال جس کی سالانہ آمدنی تین کروڑ ہے قابض ہو گئے، مذہبی تعصب اور ان کی فطری بدچلنی نے ابھی تک دم نہیں لیا اور وہ ہنوز شرارت پر تلے ہوئے ہیں، ان کی ناجائز حرکات حیطۂ تحریر میں نہیں آ سکتے، لہٰذا آپ کی خدمت میں چند سفیر بھیجے گئے ہیں جو یہاں کے یہ حالات بتائیں گے اور آپ سے دینِ محمدی کی تقویت اور ان دشمنوں کی شکست کے لئے تائید کی درخواست کریں گے"۔

سفیروں نے یہ عرضداشت پیش کی اور اپنی طرف سے کہا کہ مدت سے خاندانِ تیموریہ میں کوئی بہادر اور باہمت تاجدار پیدا نہیں ہوا، ملک کے صوبہ داروں نے ذمہ داری سے اس سے مقصود ہے، بنگال اور دکن کا آدھا حصہ انگریزوں کے تصرف میں جا چکا ہے، انگریز مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں، اس لئے ٹیپو سلطان اس بات کے خواہاں ہیں کہ ترکی سے ایک جنگی معاہدہ کریں، جس کی رو سے سلطانِ روم ایک کثیر فوج ہندوستان بھیجیں جس کے لے جانے اور واپس بھیجنے کی ذمہ داری ٹیپو سلطان پر عائد ہوگی اور وہ سب خرچ اخراجات برداشت کریں گے، ایک معاہدہ جو پہلے سے تیار تھا اور جس کو ٹیپو سلطان نے خود لکھوایا تھا، پیش کیا گیا جو پانچ قلموں پر مشتمل تھا

قلم اول:۔ سرکارِ خداداد اور سلطان روم کے درمیان تا شمس و قمر دوستی و یک جہتی قائم رہے

قلم دوم:۔ بصرہ و ملحقہ ملک مع ملازمان سرکارِ خداداد کو اجارہ پر دیا جائے اور اس کا زرِ اجارہ سلطانِ روم کو دیا جائے۔

قلم سوم:۔ اس کے عوض سلطانِ روم کو سلطنتِ خداداد میں جس بندرگاہ کی ضرورت ہو اجارہ پر دی جائے گی، اس ذریعے سے اہلِ اسلام کے درمیان رسل و رسائل اور جہازوں کی آمد و رفت ہوتی رہے گی، جس کے سبب دینِ متینِ احمدی کو روز افزوں تقویت ملے گی،

قلم چہارم:۔ ترکی سلطنت ہماری تائید کے لئے جس قدر جمعیت جہازوں پر سوار کرکے روانہ کرے گی اس کے تمام اخراجات سلطنتِ خداداد برداشت کرے گی اور جس وقت ترکی کی سلطنت کو اس فوج کی ضرورت ہوگی، اس کو جہازوں پر سوار کرکے سلطنتِ خداداد کے خرچ سے واپس بھیجا جائے گا۔

قلم پنجم:۔ سرکارِ خداداد میں اگرچہ بندوق و توپ ساز

بہت موجود ہیں لیکن اور چند بندوق، توپ اور قرابہ ساز
وہاں سے فوجوں ترکی سے بھیجے جائیں، اور ان کے عوض
جس قسم کے کاریگر سلطان روم کو مطلوب ہوں، سرکار خداداد
سے ترکی کو بھیجے جائیں گے

(تحریر کردہ بروز پنجشنبہ تاریخ ۵ محمد حیدری
سال جلو مطابق ۱۲ محرم الحرام ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷ نومبر
۱۷۸۵ء نزدیک ظفرآباد (سرنگاپٹم))

اس کے علاوہ سلطان نے اجازت چاہی کہ نجف
اشرف میں میٹھے پانی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایک
نہر دریائے فرات سے کھودی جائے جس کے اخراجات
سلطنت خداداد برداشت کرے گی، خلیفہ نے ان پیغامات
کو بغور سنا مگر دربعض معاہدوں کی منظوری میں پس وپیش
شروع کیا، ٹیپو سلطان کی میسور کی دوسری جنگ میں فتح یابی
پر مبارک باد پیش کی اور نجف شریف میں نہر کھودنے کے منصوبے
پر خراج تحسین ادا کیا، ٹیپو کو ناصر الاسلام والمسلمین کا خطاب
عطا ہوا۔ لیکن وفد کا اصل مقصد ناکام رہا، سلطان عبدالحمید
نے اپنے جواب میں کہا۔

"یہ درست ہے آپ انتہائی بہادری سے جہاد پر آمادہ
ہے اور اپنے آباؤ اجداد کی روایتیں قائم رکھی ہیں، یہ روسی جو ایمان سے منحرف ہو چکے ہیں اور غداری کو اپنا مسلک
بنا چکے ہیں، روز وشب مسلمانوں کی تذلیل پر تلے ہوئے ہیں
اس لئے ہم نے اپنی فوجوں کو ان کافروں کی سرحدوں پہ
متعین کر دیا ہے، ان دیگر امور کے متعلق جو سفیروں نے
زبانی عرض کیا تھا اس کا جواب وہ خود بالمقابل آپ تک پہنچا
دیں گے۔"

اس طرح خلیفہ نے اصل مقصد سے کنارہ کشی اختیار
کی اور مجوزہ پر دستخط کرنے سے گریز کیا، اس کا سبب
ترکی کی وہ مشکلات تھیں جو اندرونی شورشوں اور روسی
حملوں کے خوف سے پیدا ہو گئی تھیں، اس نازک [illegible]
برطانیہ ترکی کا طرفدار بن گیا تھا اور اس سے قطع تعلق کرنا
گویا روس کے ہاتھوں اپنا گلا گھونٹنا تھا، ترکی کا ایک اور
مغربی رفیق فرانس بھی اس وقت ایک حیرت انگیز انقلاب
کے دہانے پر کھڑا تھا، اس لئے اس سے بھی تائید کی امید نہ
تھی، انگریزی سفیر سر اینسلے (Sir Robert Ainslie)
کی پائے تخت میں موجودگی ٹیپو سلطان کے لئے مزید مضر ثابت
ہوئی، اس لئے ٹیپو سلطان اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو
سکے لیکن ایک اور اہم چیز ان کو حاصل ہوئی، سفیر ایک
فرمان سلطان روم سے لے آئے جس کی رو سے ٹیپو سلطان
ایک مختار بادشاہ تسلیم کئے گئے، یہ بات اتنی اہم اس لئے ہوئی
کہ آپ کو ہندوستان کی چند مقتدر ہستیاں غاصب سمجھتی تھیں
اور آپ کی حکومت کو آئینی تسلیم نہیں کرتی تھیں، خاص کر
حیدرآباد کے نظام اور پونا کے مرہٹے اس بات پر مصر تھے،
سلطان روم سے ایک پروانہ جس میں آپ کو ایک خودمختار
بادشاہ تسلیم کر لیا گیا تھا، ان نکتہ چینوں کا [illegible]
آخرکار سفیر ۵ دسمبر ۱۷۸۹ء کو قسطنطنیہ [illegible]
مدینہ، مکہ ہوتے ہوئے کالی کٹ پہنچے۔

گو سلطان کو اپنے اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی
تاہم ان کے استقلال اور جد وجہد کا پتہ چلتا ہے، آپ
نے اپنی تخت نشینی کے وقت ہی یہ عہد کیا تھا کہ "میرا فرض
یہ ہے کہ جب تک زندہ رہوں استخلاص وطن کے لئے جہاد
کرتا رہوں، اے میرے پیارے ہندوستان! میری محبت

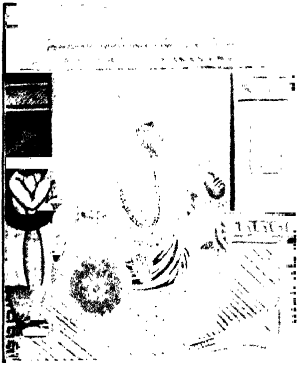
بقیہ "بقیات" میں دیکھئے

# حوصلہ ٹیپو کا بھارت کے لئے درکار ہے

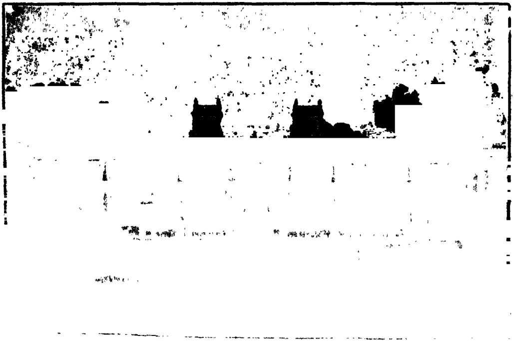
ایوب حسن فاروقی بیدل
فاضل دیوبند، مولوی فاضل

رسمِ قربانی میں انساں آج بھی غمخوار ہے — حق کی حقانی حمایت کے لئے تیار ہے
بعد مرنے کے بھی رہتی ہے اولوالعزمی کی یاد — سب سے اونچا آج تک باقی قطب مینار ہے
گنبدِ ٹیپو سے آتی ہے صدا پیہم یہی — حوصلہ ٹیپو کا بھارت کے لئے درکار ہے
اک شہادت جس کی صد لحاظ کا احساس ہے — اس کی تربت پر جہاں میں حریت بلہار ہے
مردِ میداں تھے کہاں میں جس کی بھارت کے سپوت — حریت کے جیش کا وہ قافلہ سالار ہے
شانتی امن و اماں سے جو بھرا دربار تھا — یاد جس کی آج بھی کیا سکھ بھری دربار ہے
ذوقِ احساسِ خودی اہلِ وطن کو دے گیا — آج بھی گنبد تر لحد مصدرِ انوار ہے
ہند میں معمارِ اول حریت کا ٹیپو تھا — حرمتِ احساس جس کی درپئے آزار ہے
موجِ ٹیپو کی ضرورت آج پھر بھارت کو ہے — قومی سرمائے کا ہر اہلِ وطن حقدار ہے

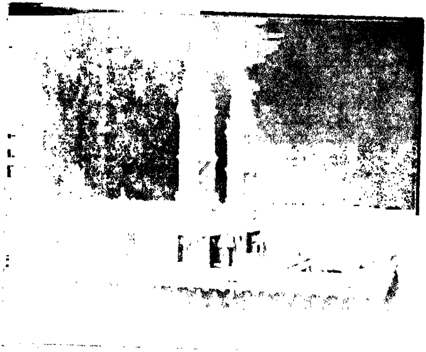
رشکِ صد نوروز ہے یہ جشنِ آزادی کا روز
ذوقِ آزادی سے بیدل ملک گر بیدار ہے



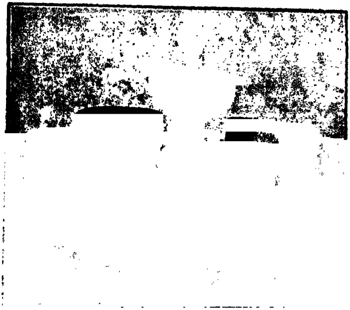
Nawab Hyder Ali Khan Bahadur



Darya Daulat *(Front View)*



Masjid-e-A'la
Tipu Sultan's Mosque at Srirangapatna



Tipu Sultan's Gift to a Temple

# ہندو مسلم اتحاد کا مجسمہ

مہاتما گاندھی

میسور کا بادشاہ فتح علی ٹیپو شہید غیر ملکی مورخوں کی نظر میں ایک ایسا مسلمان تھا جس نے اپنی ہندو رعایا کو زبردستی مسلمان بنایا، لیکن یہ سب بہت بڑا جھوٹ ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں سے اس کے تعلقات نہایت ہی دوستانہ تھے، اس کے کارنامۂ زندگی کی یاد دل کے اندر خوشی اور مسرت کا طوفان پیدا کر دیتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت ہندو اور مسلمان اپنے غیر ملکی دشمن کو جو ان کے دروازے پر ڈیرہ جمائے ہوئے تھا، بھول کر آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ طاقت آزما تھے، اس عظیم المرتبت سلطان کا وزیر اعظم ایک ہندو تھا، اور ہمیں نہایت ہی ندامت کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس نے غدار آزادی کو دھوکا دے کر دشمنوں کے حوالے کر دیا

میسور کے محکمۂ آثار قدیمہ کے پاس اس وقت سلطان کے وہ تیس خطوط موجود ہیں جو سلطان نے شرنگیری مٹھ کے شنکر آچاریہ کو لکھے تھے، یہ خط کنڑی زبان میں ہیں، ٹیپو کو ایک خود مختار حکمران ہونے کے باوجود اس چیز کا کبھی خیال نہیں آیا کہ وہ ساہوکاروں کو عربی میں خط و کتابت لکھنے پر مجبور کرے، بلکہ اس نے خود انہی کی زبان میں شنکر آچاریہ کے خط کا جواب دیتے ہوئے دعا یا تپسیا کی درخواست کی تھی اور اپنے ملک کی بھلائی اور ساری دنیا کی بہتری اور خوشحالی کی دعا چاہی تھی، اور سوامی جی کو لکھا تھا کہ آپ میسور جلد واپس آجائیں کیوں کہ بزرگوں کے قدم کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور فصل اچھی ہوتی ہے

یہ خط اس قابل ہے کہ زریں حروف میں لکھا جائے، ٹیپو نے ہندو مندروں کے لئے نہایت فیاضی سے جائدادیں وقف کیں اور خود ٹیپو سلطان کے محلات کے قریب شری وینکٹا رامنا سری نواس اور شری رنگناتھ کے مندروں کی موجودگی سلطان کی وسیع النظری اور رواداری کا ثبوت ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید قوم سلطان شہید جس سے بڑا شہید ملک و قوم دوسرا کوئی نہیں، اپنی جماعت میں ہندوؤں کی کمینیوں سے پریشان نہ ہوتا تھا، ٹیپو آزادی کے ساتھ جنگ کرتا ہوا شہید ہوا، مگر اس نے دشمن کی اطاعت گوارا نہ کی

ہمیں بھی سلطان ٹیپو شہید کے اس الہامی مقولے کو یاد رکھنا چاہئے،

"شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے"

ترجمہ از

(ینگ انڈیا)

# ٹیپو سلطانؒ

علامہ اقبالؒ

آں شہیدان محبت را امام
آبروے ہند و چین و روم و شام
نامش از خورشید و مہ تابندہ تر
خاکِ قبرش از من و تو زندہ تر
عشق رازے بود بر صحرا نہاد
تو ندانی جاں چہ مشتاقانہ داد
از نگاہِ خواجہ بدر و حنینؐ
فقر سلطاں وارثِ جذبِ حسینؓ
رفت سلطاں زیں سرائے ہفت روز
نوبتِ او در دکن باقی ہنوز

# اصلاحات اور ایجادات

عبدالستار
سینئر بی اے
مہاراجا کالج، میسور

نواب حیدر علی خاں بہادرؒ اور ٹیپو سلطان شہیدؒ کا عہد حکومت ایسا پرآشوب تھا کہ ان کو میدانِ جنگ سے بہت کم فرصت ملی، ان کا اکثر وقت دشمنوں سے مقابلے اور باغیوں کی سرکوبی میں گزرا، ملک کی تنظیم، نظم و نسق کی اصلاح، سماج کی ترقی اور علم و ادب کے فروغ کی طرف توجہ دینے کی انہیں مہلت ہی نہیں ملی، چند سال میدانِ جنگ سے فراغت ملی بھی تو دماغی چین اطمینان بالکل نصیب نہیں ہوا، اس کے باوجود انہوں نے ملک اور سماج کی ترقی کے سلسلے میں جو کچھ کیا، قابلِ تعریف و لائق ستائش ہے، دوسرے اکثر فرماں رواؤں اور حاکموں نے امن و اطمینان کے باوجود زندگی کے ان شعبوں کی اتنی خدمت نہیں کی، آج بھی ملک کے اس خطے میں ان اصلاحات اور خدمات کے اثرات باقی ہیں اور رہتی دنیا تک ان بہادروں کی یاد دلاتے رہیں گے۔

نواب حیدر علی خاں بہادرؒ کی حکومت کے اکیس برس شروع سے آخر تک میدانِ جنگ اور توسیعِ سلطنت میں گزرے، آپ ایک سیدھے سادھے مسلمان تھے، جری اور بہادر سپاہی تھے، اور ان کی بادشاہی میں اور بادشاہوں کے برخلاف انتہائی سادگی اور سپاہیانہ شان کا رنگ غالب رہا، آپ نے پہلوانوں کی کشتی اور جانوروں کی لڑائی سے کا بیچ میں ایجاد کی، تھا کہ وقت اکثر محل کے سامنے کشتیاں ہوتیں، بھینسوں، بیلوں، ہاتھیوں اور شیروں کی لڑائیوں کا انتظام ہوتا تھا، بعض اوقات بہادر سپاہی شیروں اور چیتوں سے مقابلہ کرتے تھے، وہ غالب آجاتے تو انعام و اکرام سے سرفراز کیا جاتا، اور جانور غالب آنے سے پہلے اسے گولی سے مار دیا جاتا تھا، آپ نے سلطنت کے ہر شہر میں ایک یتیم خانہ جاری کر رکھا تھا جہاں لاوارث بچوں کی پرورش سرکاری خرچ سے ہوتی تھی، آپ نے سلطنت میں کئی مقامات پر بہت عمدہ قلعے تعمیر کرائے، ان میں سب سے اچھا بلاری کا پہاڑی قلعہ ہے جس کی عمدگی قابل دید ہے، بعض مقامات پر آپ نے توپیں اور بندوقیں وغیرہ تیار کرنے کے کارخانے بھی جاری کئے، آج سرنگاپٹم میں جو حسین اور نفیس عمارت دریا دولت کے نام سے موجود ہے، آپ ہی کی بنائی ہوئی ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کی دیواروں پر میدانِ جنگ کی جو تصویریں ہیں آپ ہی کے ایما پر بنائی گئی تھیں، منگلور پر قبضہ ہوا تو آپ نے وہاں جہاز سازی کا کارخانہ بھی قائم کیا۔

ٹیپو سلطان شہیدؒ نے آپ کے والدِ مرحوم سے بدرجہا زیادہ اصلاحات اور ایجادات کیں، آپ کو سترہ برس کے عہدِ سلطنت میں امن و اطمینان کے

موقع ان سے زیادہ نصیب ہوسکے، آپ نے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جاگیرداری نظام کو یک لخت ضبط اور موقوف کر دیا، اس وقت تک کسانوں سے لگان جاگیردار یا اجارہ دار وصول کرتے تھے مگر اس وقت سے وصول اور لگان براہِ راست سرکار کو ادا کرنے لگے، زمین کسان کی ملکیت قرار پائی بےکار اور خالی زمینیں زراعت کے لئے کسانوں کو مفت دی جانے لگیں، نتیجہ یہ ہوا کہ کسان خوش حال اور زمین آباد ہو گئیں، سرکاری افسروں کو بھی جاگیروں کے بدلے آپ نقد تنخواہ دینے لگے، سلطان نے ساری سلطنت میں شراب اور دوسری نشہ آور چیزوں کے استعمال اور تجارت کو ممنوع قرار دے دیا، ہر مقام پر مقدمات اور خصومات کا فیصلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کے لئے قاضیوں اور ہندوؤں کے لئے پنڈتوں کا تقرر عمل میں لایا، مسلمانوں کی شادی بیاہ، ختنہ وغیرہ میں جو رسمیں خلافِ شریعت رائج تھیں، ان پر بھی آپ نے پابندیاں عائد کر دیں، جن لوگوں نے پیری مریدی کو پیشہ بنا رکھا تھا ان کو سختی سے ممانعت کر دی، محرم میں مسلمانوں میں جو بدعات اور خرافات ہوتی ہیں، ان کی آپ نے سخت مخالفت کی اور ان پر سخت پابندیاں لگا دیں

میسور گزیٹیر میں جس کی اشاعت آج سے کئی سال قبل ہوئی تھی، لکھا ہے " ابھی تک ملک میں ان کی اصلاحات پر وہ نظر نہیں ڈالی گئی جس کے وہ مستحق ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اصلاحات بہت لائق تحسین ہیں، یہ بڑی بدنصیبی ہے کہ ٹیپو کی زندگی کا صرف تاریک پہلو دیکھا جاتا ہے اور ان کے روشن پہلوؤں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے، اس وجہ سے ٹیپو کی اصلی شخصیت ابھی تک دنیا پر ظاہر نہیں ہوئی"

ٹیپو سلطان نے انتظامِ سلطنت کے متعلق مشاورت کے لئے ایک اسمبلی بھی بنائی تھی جسے مجلس وطنی کہتے تھے اور جس کا تاریخی نام زمرۂ غم نباشد تھا، اس سے پتا چلتا ہے کہ آپ شخصی حکومت نہیں بلکہ کنسٹی ٹیوشنل مانارکی یعنی آئینی بادشاہی قائم کرنا چاہتے تھے، اپنی رعایا کے لئے جس میں فوج بھی شامل ہے آپ نے اہم معاملات کی انجام دہی کے لئے چند اصول وضع کئے تھے، یہ اصول فتح المجاہدین نامی کتاب کی صورت میں آپ نے ساری سلطنت میں عام کر دئے، یہ کتاب آج بھی موجود ہے اور آپ کی دماغی صلاحیتوں کی داد دے رہی ہے، آپ نے اپنی سلطنت کے مالی استحکام اور معاشیات کی خوش حالی کے لئے تجارت بھی شروع کر رکھی تھی، اسی کی موجودہ ترقی یافتہ شکل نیشنلائزیشن ہے، اور تجارت کے سلسلے میں آپ نے اپنے بحریے کو کافی ترقی دی، چنانچہ آپ کا سامانِ تجارت بیرونی ممالک تک بھیجا جاتا تھا، تاجروں، کسانوں اور پیشہ وروں کی سہولت کے لئے سلطان شہیدؒ نے سلطنت کے مختلف مقامات پر بینک اور کوآپریٹو سوسائیٹیاں جاری کر دیں، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ سود خواروں کی غلامی سے رہا ہو گئے

آج میسور سلک، ساری دنیا میں مشہور ہے، لیکن آپ کو یہ جان کر بڑا تعجب ہوگا کہ سلطانؒ سے پہلے یہاں ریشم سازی کا نام و نشان تک نہیں تھا، سلطان شہیدؒ نے دور دراز کے ممالک سے [illegible] منگا

وغیرہ سے شہتوت کے پودے اور ریشم کے کیڑے منگائے اور اپنی سلطنت میں اس صنعت کی بنا ڈالی اسی طرح چاپیل کی کاشت کا آغاز بھی آپ ہی کے زمانہ میں ہوا، سرنگا پٹم اور بنگلور میں دو سلطانی باغ تھے جنہیں لال باغ کہا جاتا ہے، ان میں بیرونی ملکوں سے منگائے ہوئے پودوں وغیرہ کی کاشت کا تجربہ کیا جاتا تھا، چنانچہ زعفران کی کاشت کا بھی تجربہ کیا گیا، یہ معلوم نہیں ہوا کہ اس میں کس حد تک کامیابی ہوئی۔ زراعت اور کاشت کاری کی ترقی اور وسعت کے لئے آپ نے سد بھی کی بنا ڈالی، یہ کام آپ کے عہد میں پورا نہ ہو سکا مگر آج کرشنا راج ساگر ڈیم کی صورت میں جلوہ گر ہے، ان دو نامور بادشاہوں نے ایک محکمہ امرت محل کے نام سے قائم کیا جہاں بار برداری کے جانوروں کی پرداخت اور نسل کشی ہوتی تھی، تاکہ زیادہ سے زیادہ کارآمد مویشی مہیا کئے جائیں، اس محکمے کے بیلوں نے سلطانی جنگوں میں جو کارنامے انجام دئے ہیں ظاہر ہیں،

ٹیپو سلطان شہیدؒ نے کئی عمارتیں تعمیر کرائیں، اس وقت سرنگا پٹم میں جو مسجد اعلیٰ، مسجد اقصیٰ، گنبد شاہی وغیرہ ہیں آپ ہی کے عہد کی عمارتیں ہیں ان کے علاوہ بنگلور کا محل، چتل درگ کا محل اور کولار کا مقبرہ بھی آپ کے بنائے ہوئے ہیں، مسجدیں آپ کی بنائی ہوئی متعدد ہیں، کہا جاتا ہے کہ منگلور کی جامع مسجد بھی آپ ہی کی بنائی ہوئی ہے

سلطان شہیدؒ اختراعی اور ایجادی صلاحیتوں کے مالک تھے، چنانچہ آپ نے کئی ایجادات اور اختراع بھی کیں، جن سے ملک اور اہل ملک کو بہت فائدہ پہنچا، لگان کی وصولی میں سہولت پیدا کرنے کو آپ نے ایک فصلی تقویم بنائی جس کے مہینے موسموں کے مطابق ہوتے تھے، مہینوں اور سالوں کے نام بھی تجویز کئے۔ ہندوؤں کے جگ کو رواج دیا جس کے ساٹھ سال ہوتے ہیں، سنہ ہجری کے ساتھ ہی ساتھ عیسوی سنہ کی طرح محمدی سنہ جاری کی جو ولادت سرکار عالم صلعم سے شروع ہوتی ہے، ببری کپڑا آپ ہی نے ایجاد کیا، خود بھی پہنا اور سلطنت بھر میں اسے مقبول بنایا، اس کے علاوہ ہر چیز پر ببری علامت لگوائی، یہ اس لئے کہ شیر دل تھے اور شیری پسند تھی، آپ نے شہروں کے نام بھی بدل کر اپنی طرف سے نئے رکھے، جن کی ایک جامع فہرست یہاں پیش کی جاتی ہے

| پرانا نام | نیا نام |
|---|---|
| میسور | نظر آباد |
| ہاسن | قائم آباد |
| جبارانی درگ | ازبر آباد |
| بدنور | نگر |
| کبل درگ | جعفر آباد |
| کولی درگ | امتیاز گڑھ |
| ہلیار درگ | دلور آباد |
| چندرگوتی | شکور آباد |
| ماگڑی درگ | فلک شکوہ |
| منگلور | جمال آباد |
| کرم گری | محی الدین آباد |
| بھٹکل | رحمت آباد |

| نیا نام | پرانا نام |
| --- | --- |
| اا شکوہ | دیوانی درگ |
| واسط آباد | بنکوری |
| گردوں شکوہ | نندی درگ |
| مجیب آباد | ستاشیو گڑھ |
| خلت شکوہ | گوری بنڈہ |
| حسین آباد | دھنیان کوٹ |
| یوسف آباد | دیون ہلی |
| ثمر پش | بلاری |
| رضا آباد | چہار گڑھ |
| سلام آباد | سنی منگل |
| علیم آباد | پیرن درگ |
| احمد آباد | آنڈیور |
| محمود آباد | مل کال مڑہ |
| عزیز آباد | چکرگری |
| فرخ یاب حصار | چتل درگ |
| حافظ آباد | پاؤ گڑھ |
| ممتاز گڑھ | کوکیپا |
| رحمن آباد | مرکیسی |
| فیض حصار | گوتی |
| مصطفیٰ آباد | رتن گری |
| فرخی | فیروک |
| اسلام آباد | کالی کٹ |
| ساون گڑھ | ماگڑی |
| خالق آباد | ڈنڈیگل |
| فلک الاعظم | کشنگری |

| نیا نام | پرانا نام |
| --- | --- |
| مظفر آباد | سنگل درگ |
| فخر آباد | پنوکنڈہ |
| منظر آباد | قلعہ بل |
| گلشن آباد | ٹولی |
| اسلام پور | ہوسکوٹ |
| ظفر آباد | سرنگاپٹم |
| رستم آباد | سرا |
| دار السرور | بنگلور |

اپنی سلطنت کا نام سلطان شہیدؒ نے سلطنتِ خداداد رکھا تھا، سرکاری دفتر میں یہی نام استعمال کیا جاتا تھا، آپ نے جو نئے سکے جاری کئے ان کے بھی بڑے دلچسپ نام رکھے تھے، مثلاً روپے کو امامی کہتے تھے، اشرفی کو احمدی، پن کو فاروقی، اٹھنی کو باقری اور دونی کو کاظمی، آپ نے ساری سلطنت میں غلامی کا انسداد کیا، اس سے پہلے یہاں غلامی تو کیا انسانی قربانی کا بھی رواج تھا، میسور کے چامنڈی مندر میں ہر سال ایک انسان کی قربانی دی جاتی تھی اسے حیدر علی خاں بہادر نے ممنوع کر دیا

ان دو بہادروں نے جو اصلاحات اور ایجادات کیں ان کا اثر آج بھی اس خطے کی زندگی میں اپنی جھلک دکھا رہا ہے، یہ ان کے احسانات ہیں جن کے بارے میسور کی گردن کبھی سبک دوش نہیں ہو سکتی

# ٹیپو سلطانِ شہید

محمد عثمان محسن
سنگڑ، کولار

چشمِ عبرت بیں سے لینا کام کچھ
سوچنا آغاز میں انجام کچھ

ہے جہاں سارا مسلماں کے لئے
کہہ رہا ہے دیکھنا اسلام کچھ

وہ مجاہد تھا فدائے قوم تھا
سنتے بس اسلام کا ہیں نام کچھ

فائدہ دے گا تمہیں کیا دوستو
صرف کہنا اور نہ کرنا کام کچھ

مردِ غازی خود ہے تیغِ بے نیام
اس سے خالی تر نہیں صمصام کچھ

مردِ غازی کی یہی ہے واردات..
صبح کچھ ہے دوپہر کچھ شام کچھ

کام ہی اس کا اسے انعام ہے..
چاہتا تم سے نہیں انعام کچھ

گنبدِ سلطانِ ٹیپو سے صدا...
سن رہے ہیں آج خاص و عام کچھ

شوکتِ اسلام تھی ظاہر کبھی
اس کا کیوں اب نام ہے بدنام کچھ

بج رہا تھا دین کا ڈنکا وہاں
کفر کا چلتا نہیں تھا دام کچھ

بزمِ سلطانی یہاں تھی ہر صباح
ہر مسا ہوتا تھا اس سے کام کچھ

صدق سے مومن فدا مومن پہ تھا
اس کو کچھ ضد تھی نہ تھا ابرام کچھ

روحِ سلطانی سے ہم لے کر مدد
خود کریں گے قوم کا بھی کام کچھ

دی دغا سلطانِ عالی جاہ کو
اور خود پایا نہیں آرام کچھ

تھا وہ اک مردِ دغا سلطان خود
کرتے ہیں دشمن جسے بدنام کچھ

ذات اس کی تھی تعصب سے بری
وہ نہیں تھا مردِ مے آشام کچھ

تھی صفِ رزم اس کے بیٹھنے کی جگہ
وہ نہ رہتا تھا میانِ بام کچھ

وہ شہیدِ ملک و ملت ہو گیا
جب نظر آیا نہ استحکام کچھ

تشنہ کامی میں شہادت پائی ہے
اس لئے وہ کر گیا ہے نام کچھ

دے ہمیں شوقِ شہادت اے کریم
تا کریں ہم خدمتِ اقوام کچھ

آفریں اے محسنِ شیریں بیاں
اس جہاں میں گر کرے تو کام کچھ

# سیول لسٹ

فیض احمد
ایم اے، دو آنرز
مہاراجا کالج، میسور

شہر میسور کے ایک پرائیویٹ کتب خانہ میں، ٹیپو سلطان شہید کی ایک نہایت ہی قیمتی اور اہم تحریر موجود ہے جس کا ان کی حکومت سے خاص تعلق ہے، سلطنتِ خداداد کے مورخوں اور سلطان شہیدؒ کے رنگِ سیاست اور طرزِ حکومت پر بحث کرنے والوں کو اس مخطوطہ کے مطالعہ سے کافی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، نہ جانے ایسے کتنے انمول ذخیرے ابھی ریاستِ میسور کے مختلف مقامات پر پوشیدہ ہیں، اگر محققین نے ان کو حاصل کرنے کی کوشش جاری نہ رکھی اور جن حضرات کے پاس ایسے خزانے موجود ہیں انہوں نے فراخ دلی سے کام نہ لیا تو ممکن ہے کہ وہ معدوم اور فنا ہو جائیں، زیرِ بحث مخطوطہ کے بارے میں کتب خانہ کے مالک کا بیان ہے کہ وہ سلطان شہید کے متعلقین سے ان کو دستیاب ہوئی جو شہر میسور میں مقیم تھے

یہ مخطوطہ ۸½ × ۶ انچ کے ۱۲۲ صفحات پر مشتمل ہے، اور اس میں سلطان شہیدؒ نے سلطنتِ خداداد کی چھ صدر مقامی کچہریوں سے متعلق اسّی عاملوں کے ذاتی حالات تفصیل کے ساتھ رقم کئے ہیں، اسے سلطنتِ خداداد کی ایک سیول لسٹ کہنا چاہیئے دورِ حاضر میں جو سیول لسٹیں ہوتی ہیں ان سے زیادہ معلومات اس فہرست میں موجود ہیں، وہ اس زمانے کی ضرورتوں کے لئے کافی ہیں، سلطان شہیدؒ کے حکمرانہ نقطۂ نظر سے یہ فہرست کس قدر ضروری اور مفید ہو سکتی تھی اس کا اندازہ وہی حضرات لگا سکتے ہیں جو کسی محکمہ کے انتظام پر مامور رہے یا جن کو فطری طور پر ایسی صلاحیت عطا ہوئی ہے، مگر عام قارئین کے لئے بھی اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں،

اس فہرست سے سلطانِ شہید کے عاملوں کے ذاتی حالات کا کافی علم حاصل ہو جاتا ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کون تھے کیا تھے، اس وقت ان کا سن کیا تھا، ان کے آبا و اجداد کون تھے، کس خاندان سے تھے، ان کی ولادت کہاں ہوئی، ان کا مذہب کیا تھا اور مسلک کیا، ان کے باپ اور دادا کی پیدائش کہاں ہوئی تھی، ان کی، ان کے باپ کی اور ان کے دادا کی شادی کن لوگوں میں ہوئی تھی اور وہ کہاں کے باشندے تھے، اور ان کے رشتہ دار اور جاننے والے لوگ کون تھے، یہ فہرست جتنی جامع ہے اتنی مختصر بھی ہے، اسے ایک طرح کا شجرۂ نسب یا نسب نامہ بھی کہا جا سکتا ہے

اس فہرست کے دو حصے کئے جا سکتے ہیں،

پہلے حصے میں جعفرآباد، حسین آباد، امتیاز گڑھ اور احمدآباد کی کچہریوں سے متعلق ۶۲ عاملوں کا حال لکھا ہے اور دوسرے حصے میں منگلورآباد اور

محی الدین آباد کی کچہریوں سے متعلق ۸ عاملوں
کے حالات لکھے ہیں جو قریشی اور نجیب الطرفین تھے
یہ گویا سادات عاملوں کی علاوہ فہرست تھی، اس سے
یہ پتا چلتا ہے کہ سلطان شہید کی نظر میں سادات کی کتنی
عزت تھی

پہلے حصے کی تاریخ تحریر کا کہیں پتا نہیں لگتا
البتہ دوسرے حصے کی تاریخ تحریر ۱۲ ماہ تقی سال
شاداب ۱۱۲۶ سنہ مولودی بتائی گئی ہے
پہلے حصے کا عنوان یوں لکھا ہے
" دریافت حسب و نسب عاملان میر آصف کچہری
روبروی سید محمد میر آصف و میر فخرالدین و شیخ امین
میر خازن "
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دریافت ان
افسروں کے سامنے ہوئی، دوسرے حصے کا آغاز
اس عبارت سے ہوتا ہے
" تفصیل تحقیقات مردم قوم قریش نجیب
الطرفین بقید حسب و نسب و پیدائش دو سہ پشت
ملک سرکار خداداد ........... عاملان کچہری
شکور آباد و محی الدین آباد "
بتایا گیا ہے کہ یہ تحقیقات اس زمرے کی حاضری
میں ہوئی جو محمد رضا میر میران، محمد حسین میر یم
اور محمد سعید ملک التجار پر مشتمل تھا "
اس فہرست میں جتنے عاملوں کا حال لکھا ہے
وہ سب کے سب یا تو سادات سے ہیں یا قریشی
اور مسلک کے لحاظ سے سب کے سب سنی حنفی ہیں۔
ان کی کل تعداد تیس ہے جن میں [illegible]

صرف ایک کو پڑھنا لکھنا آتا تھا (شاید اردو اور
فارسی) اور ایک اور صاحب ریاست کی مقامی زبان
کنڑی لکھنا جانتے تھے، باقی سب کے سب ناخواندہ تھے،
اس زمانے میں عامل کے عہدے کے لئے، بہادری،
دانشمندی اور انتظامی صلاحیت کی ضرورت سب
سے زیادہ تھی پھر وفاداری اور خلوص کا سوال آتا
تھا، فقط خواندگی اس کا معیار نہیں تھی، یہ بتانے کی
ضرورت نہیں کہ ہر تعلق کے انتظام پر ایک عامل یا عملدار
مامور تھا، اس کا ثبوت اس فہرست سے بھی ملتا ہے اور
یہی طرز انتظام آج تک ریاست میسور میں جاری ہے،
نواب حیدر علی خاں بہادر سے قبل اس علاقہ میں ایسا
کوئی انتظام نہیں تھا، اس کی ایک وجہ طوائف الملوکی
ہے جو جنوبی ہند اور خاص کر اس خطے میں رائج تھی،
ہر ایک عامل کا حال نمونے کے طور پر یہاں لکھا جاتا ہے
" عامل تعلقہ اول ہوسور باسم شیخ عبدالقادر
ولد شیخ عبدالرسول ابن محمد درویش قوم قریشی مذہب
حنفیہ پیدائش سیوگہ و پیدائش والدہم کڑپہ و پیدائش
جد [illegible] "

| اقارب | | | واقف |
| --- | --- | --- | --- |
| عملدار رام چند | محمد برہان | قلعدار کریم آباد | محمد امام عملدار |
| باسم محمد قاسم | عملدار باسم | باسم شیخ جمال | |
| برادر قلعدار زادہ | عموزادہ | سوار | |
| | | محمد عثمان | |
| | | شہسوار | |
| | | قدوس | |
| | | جیدار کچہری | |

جہت ایشان درخط شیخ سلطان باشندہ بیجاپور و نسبت والد ایشان درخط سید حسن باشندہ ارکاٹ و نسبت جد ایشان ناواقف نوشت و خواند نمی داند شصت سالہ"

بعض ملازموں کے حال میں یہ جملے بھی لکھے ہیں "نجیب الطرفین است" "مشار الیہ خاندان اشراف و نجیب الطرفین اند"

دوسرے حصے میں اکثروں کے لئے "ملازمان از مشار الیہ واقفم مشار الیہ و خاندان از شان اشراف و نجیب الطرفین اند"

ہر ماں کے دو ایسے سخت داروں کے نام اور عہدے مرقوم ہیں جو سرکاری ملازمت میں گریجوئیٹ افسر کی حیثیت رکھتے تھے، اور دو ایسے سرکاری ملازموں کے نام اور عہدوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اسے بخوبی جانتے تھے

اس مخطوطے کا ذکر تاریخ سلطنت خداداد کے مصنف نے بھی کیا ہے، اور اس کا ایک حوالہ بھی دیا ہے

## شیرِ میسور

خاکی مچھوی

نقش ہر دل پہ شجاعت کا بٹھایا کس نے — شیرِ میسور لقب ہند میں پایا کس نے
سرکشانِ متعصب کو جھکایا کس نے — فتنۂ شورشِ اشرار مٹایا کس نے

تھا سدا فتح بداماں وہ علم کس کا تھا
دھاک بیٹھی تھی زمانے میں وہ دم کس کا تھا

کس کی شمشیر سے تھے لرزہ براندام عدو — کس کے حملے سے تھے خائف سحر و شام عدو
کس کا ڈر کر کبھی لیتے ہی نہ تھے نام عدو — کس کے آگے تھے ہر اک جنگ میں ناکام عدو

سورماؤں کو بھی دہشت تھی ہمیشہ کس کی
پہلوانوں کو بھی ہیبت تھی ہمیشہ کس کی

آپ چلتے تھے تعصب کی ہوا سے بچ کر — دوست دشمن پہ سدا ایک تھی سلطاں کی نظر
وقت انصاف کوئی کم نہ تھا کوئی بڑھ کر — لطف یکساں تھا ہنود اور مسلمانوں پر

عدل میں ایسا مساوات کا حامی ایسا
کوئی ثانی نظر آتا ہی نہیں ٹیپو کا ...

گھر گئے آپ تو بولا یہ کسی نے آ کر — ظاہر اب آپ کو کر دیں کہ نہیں جائے مفر
لے لی شمشیرِ دو دم ہاتھ میں ٹیپو نے مگر — گھس پڑا فوج عدو میں یہ زباں سے کہہ کر

بادشہ ہو کے جیوں غیر کا قیدی بن کر
اس سے بہتر ہے کہ مر جاؤں سپاہی بن کر

# ظفرآباد کے کتبے

غوث بیگ
جونیر [illegible]
مہاراجا کالج، میسور

کتبوں کی قدر وقیمت اور تاریخی اہمیت سے کون واقف نہیں، ٹیپو سلطان شہید اور ان کے والد ماجد نواب حیدر خاں بہادر نے بھی اور بادشاہوں کی طرح اپنی سلطنت کے مختلف مقامات پر بہت سے کار آمد اور قیمتی کتبے چھوڑے ہیں، ان کی قدر و قیمت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اگر یہ نہ ہوتے تو ہم اس سلطنت کی بعض اہم تاریخی معلومات سے ناواقف رہ جاتے، یہ کتبے سلطنت کے مرکز سرنگاپٹم میں جس کا نام سلطان نے بدل کر ظفرآباد رکھا تھا اور بنگلور، کرشنا راج ساگر اور منظرآباد میں موجود ہیں، سرنگاپٹم کے بعض کتبے شہادت سلطانی کے بعد کے ہیں، مگر صرف ہیں آٹھ دس برس بعد کے، ان سے بھی بعض اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں

سرنگاپٹم میں مقبرۂ سلطانی کی دیواروں پر بہت سے کتبے نگین موجود ہیں، مغربی دیوار پر حیدر علی خاں بہادر کی وفات کا یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے، یہ مقبرہ سلطان شہید نے نواب حیدر علی خاں کی وفات کے بعد تعمیر کرایا تھا، تو لازمی طور پر یہ قطعہ تعمیر کے بعد کندہ کرا کے لگایا گیا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم          اللہ محمد ابو بکر عمر عثمان علی

زہے گنبد کز شکوہ بنا
فلک زیر دستش بود در علو
ز نواب سرور خواہ خورشید خوان
فلک داغ گردید از رشک او
بود شمع اش نور چشم فلک
قرابت شود تعلیم از و
تراوش کنان بحر رحمت زخاک
گرد بے زگرد بیاں گرد او
سحرگہ چو کسب فیض و شرف
گزشتم ازیں خواب گاہ نکو
چو این مقبع تازہ آمد بچشم
نمودہ چو روحانیاں جستجو
کہ این شاہ آسودہ را چیست نام
چہ تاریخ رحلت نمود ست او
یکے زاں میاں گفت تاریخ و نام
کہ حیدر علی خاں بہادر بگو
۱۱ ھ ۹۷ .

اس میں نام ہے جو وفات کا مادہ تاریخ بھی ہے، یقیناً اس سے بہتر مادہ تاریخ اور کوئی نہیں ہو سکتا

اسی دیوار پر دروازے کے بائیں طرف یہ قطعہ کندہ ہے، اس میں سلطان کی شہادت کی تاریخ کے علاوہ دن اور مہینے کا نام، عمر اور بادشاہی کی مدت بھی مرقوم ہے۔

ٹیپو سلطان شہید شد ناگاہ
جان خود داد فی سبیل اللہ
بر ز ذی قعدہ بست و ہشتم آن
گشتہ روز شنبہ عشر عیان
ہفت ساعت ز صبح بگذشتہ

خون ز دیوار و در روان گشتہ
زیست پنجاہ سال با اقبال

بادشاہی نمود ہفت دہ سال
داشت در دل ہمیشہ عزم جہاد
گشت آخر شہید حسب مراد
آہ تاراجی کمین و مکان

خون جگر شید لے زمین و زمان
چون غم او بجز د کل دیدم
سالِ ماتم ز درد پرسیدم
گفت ہاتف زنیم آہ بگفت
نور اسلام و دین ز دنیا رفت

۱۲۱۳ھ

کہا گیا ہے کہ یہ دونوں قطعے سید شیخ الجعفری میر حسن علی کے کہے ہوئے ہیں اور کندہ ہے کہ سید عبدالقادر نے ۱۲۱۳ھ میں کندہ کئے، اس قطعے کے یہ شعر اپنے اندر سرنگا پٹم کی تباہی و بربادی کی داستان لئے ہوئے ہے

آہ تاراجی کمین و مکان
خون جگر شید لے زمین و زمان

ایک اور پرلطف کتبہ یہ ہے

شاہِ عالم بہ تیغ بر تر شد
جانشین مجلس پیغمبر شد
روح قدسی بہ عرش گفت کہ تیو
نسلِ حیدر شہید اکبر شد

۱۲۱۳ھ

ایک اور مادۂ تاریخ کا کتبہ بھی ہے، اس کا یہ مصرعہ تاریخی کس قدر معنی خیز ہے

یکے زان میان گفت "شمشیر گم شد"

۱۲۱۳ھ

ایک عربی کتبہ بھی جس پر یہ مصرعے کندہ ہیں

ان اخذت مصر کما قد ذکروا
ومر نج فلق اخذت ودبہا
مصيبة ما مثلها ارختها
ذهب عز الروم والهند كلها

مقبرے کی چاروں دیواروں میں چار دروازے ہیں اور تین دروازوں کے سر پر یہ تین رباعیاں کندہ ہیں

از فاطمہؓ زوجِ علیؓ شیرِ خدا
٦٠ شد سبط نبیؐ سید شہدا پیدا
این فاطمہؓ زاد از علی حیدر
ٹیپو سلطان گشت شاہِ شہدا

— —

در ملک حجاز از علی حیدر
مفتوح شدہ ہفت قلاع خیبر
زین حیدر دکنی و دل کرناٹک
گشتہ ز طمع یک ہدیو کشور

— —

آں سید الشہدا و عرب سید

لخت جگر فاطمہ و جان حسنؓ
از ظالمے و حیلہ و مکر
سلطان شہیداں شدہ ز جان ملک

ایک دوسرے کتبے کے سرے پر بالکل کونے پر یہ آیت اور
یہ شعر کندہ ہیں

کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ
ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

شادی دارسالانہ غم آور دنقشہ
بدیں جا نماز سلطان کہ آمد شہر چو حلقہ

مقبرہ سلطان ایک چبوترے پر قائم ہے، یہ چبوترہ
بہت طویل چوڑا اور اونچا ہے، اس پر ایک عظیم الشان
مسجد بھی کھڑی ہوئی ہے جسے مسجد اقصیٰ کہا جاتا ہے، مقبرے
کے چاروں طرف برآمدے ہیں اور چبوترے پر بہت سی
قبریں ہیں اور اکثر قبروں پر کتبے لگے ہوئے ہیں، ان میں
سے بعض سلطان شہید کی قبریں ہوں گی اور بعض شہادت
کے بعد کی

بادشاہ سلطنت "رقیہ بی بی" کی قبر کے سرہانے
یہ کتبہ نصب ہے "رحلت ہمشیرہ برہان الدین شہید
بتاریخ بیست و ہفتم ماہ رازی سال زبرجد ۱۲۱۹
سنہ محمد مطابق بیست و پنجم ماہ جمادی الثانی ۱۲۰۶
سنہ ھ و شب یکشنبہ بوقت پنج گھڑی شب باقی ماندہ
بعدم عالم پرواز کرد"

ایک اور مزار پر یہ قطعہ کندہ ہے

چوں سپہ دار جو د لیچو سلطان شہید
زیں جہاں بگذشت در ملک بقا منزل گزید
ام و تاریخ و نشانش مرتعش جستم ز دل

با دل محزوں بگفت ایں تربت سیدہ

مسجد اعلیٰ سرنگاپٹم کی سب سے بڑی اور جامع
مسجد ہے، اس کی تعمیر سلطان شہید نے اپنی تخت نشینی
کے بعد کرائی تھی اور آپ یہیں جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے
اس مسجد کی محراب کے اوپر یہ قطعہ تاریخ پتھر پر نہایت
خوش خط کندہ ہے

کتبہ

کو حضرت سلیماں اندر زمان ماضی
تعمیر مسجدے کرد نامش نہاد اقصیٰ
دریں اوان فرخ سلطان دیں بنا کرد
روحش چو روح باشد دلکش و فیض پیرا
زردہ نشان زمردہ آں صف صفا غیر
محراب دلکش او آئینہ دار بطحا
مانند زر چو جویا گشتم برائے تاریخ
طاعت سرائے ثابت ہاتف نمود القا
۱۲۰۲ھ

حساب زر سے جو سلطان کی ایجاد تھا یہ تاریخ نکلتی
ہے

مسجد کے اندر قبلہ رخ پچھلی دیوار پر دو نگینی
کتبوں میں نہایت ہی عمدہ خط میں اسماء حسنیٰ باری تعالیٰ
اور اسماء مبارکہ سرکار دو عالم صلعم کندہ ہیں، شمالی
دیوار اور جنوبی دیوار پر دو طول طویل کتبے لگے ہیں جن
میں جہاد کی فرضیت اور فضیلت کا بیان ہے، اس سے
سلطان کے جذبۂ جہاد و للّٰہیت کا مظاہرہ ہوتا ہے
کرشنا راج ساگر جو ہندوستان کا ایک عظیم الشان
بند ہے سرنگاپٹم سے مغربی جانب سات میل پر واقع

ہے، آج یہ بند ہمارے ملک کی ایک مشہور و معروف سیرگاہ بنا ہوا ہے، اس کے صدر دروازے میں سلطان شہید کا ایک سنگین کتبہ نصب ہے، یہ بھی حسب معمول فارسی میں ہے لیکن اس کا خط اتنا اچھا نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عجلت میں تیار ہوا ہے، طوالت کے خوف سے میں اس کی عبارت نقل کرنے سے قاصر ہوں، مگر اتنا کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ یہ اس بند کا سنگ بنیاد ہے جو سلطان نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا تھا، تاریخ نصب اس میں ۱۲۱۲ھ بتائی گئی ہے، اس میں لکھا ہے کہ یہ بند زراعت کی ترقی اور کاشتکاروں کے فائدے کے لئے بنایا گیا، لگان کی رعایت اور زمین کی ملکیت کا بھی ذکر ہے، یہ کتبہ بہت اہم اور قیمتی ہے

بنگلور کے میوزیم میں سلطان شہیدؒ کے بعض خاص بنیاد موجود ہیں جن پر یہ کندہ ہے

اصل اللہ الغالب

اور وہیں بنگلور کے سلطانی محل کا یہ کتبہ برائے نمائش رکھا ہوا ہے

تا بنائے محل بشوکت شد
سر باوج فلک زبہجت شد
دہ چہ فرخ محل بنائے رفیع
برتر از آسمانٔ رفعت شد
ہست آئینہ خانۂ بہ صفا
ہرکش دید محو حیرت شد
گوے صنعت ربود از کنچرخ
چرخ زاں سرنگوں زخجلت شد
وصف ایں قصر را شنید مگر
زاں فرید دوں بخواب غفلت شد
جستش از عجب زر تاریخ
گفت ہاتف کہ بیت عشرت شد
چوں نظر ایں قصر آرزہ نقش تمام
صورت چیں محل زغیرت شد
جستم از خضر عقل تا زنخش
گفت لاریب رشک جنت شد

۱۲۰۶ھ

یہ قطعہ رسمی مبالغے سے پر ہے، اس سے فقط بنگلوری محل کا سال تعمیر حاصل ہوتا ہے

سرنگاپٹم کے قلعے کی جنوبی فصیل پر جیوری دروازے کے پہلو میں آج بھی یہ کتبہ موجود ہے

چو شہ ایں قلعہ را بنیاد فرمود
زبر چہ سال ماہ خسروی بود
ہزار و دوصد و بر عشرہ نہ ہم
شمار سال احمد بہ ز مولود
بتاریخ نہم بہ روز شنبہ
بعین ساعت برجیس مسعود
طلوع قوس بود و ہم بہ میزان
شفق بر زہرۂ برجیس افزود
عطارد آفتاب راس برسہ
بہ برج سنبلہ بودند محمود
بسهدی ماہ بعقرب بود مریخ
ذنب در حوت کیواں در حمل بود
شمر ایں وقت را ایمت پندار
کہ قلعہ از ہمہ اسباب بہ بود

بقیہ "بقیات" میں دیکھئے

# سلطان شہید سے خطاب

اس، نورالحسن، انور
آکوپیشنل انسٹیٹیوٹ ، میسور

تجھ سا کب ارض و سما شیر ژیاں پیدا کریں
ملک کا شیدا وطن کا پاسباں پیدا کریں
نزع کی حالت میں بھی اعدا پہ جو چلتی رہی
ہم کہاں وہ تیری تیغ خونچکاں پیدا کریں
آہ او شاہِ سریر نگا پٹم اعدا شکن
کیا کوئی تجھ سا یہاں شمشیر راں پیدا کریں
تیری صولت سے دل اعدا نہ پاتے تھے قرار
اب کہاں تجھ سا شہِ سطوت نشاں پیدا کریں
شیر میسور آج تک کہتا ہے خود یورپ جسے
ہم کہاں ایسا شہِ ہیبت نشاں پیدا کریں
ہے سری رنگا پٹم کی شان تیرے نام سے
کیوں نہ اس سے آج ہم پھر عز و شاں پیدا کریں
السّلام اے حضرتِ سلطانِ ٹیپو کیوں نہ یہ
نعرہ ہائے فاتحہ حسنِ بیاں پیدا کریں

# تصانیف

اسمٰعیل شریف
اول آنرز، حواشیات
مہارا جا کالج، میسور

عہد سلطنت خداداد میں جو علمی خدمات دربار کے اندر اور باہر انجام دی گئیں اور جو کتابیں تصنیف کی گئیں ان کا حال اب تک منظر عام پر نہیں آیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زوال سلطنت کے ساتھ ساتھ ان پر بھی ہمیشہ کے لئے پردہ پڑ گیا، ان میں سے صرف چند کتابیں ہم تک پہنچی ہیں باقی یا تو تلف ہو گئیں یا قدر دانوں کے ہاتھ نہیں لگیں، کم سے کم ان کی ایک جامع اور مکمل فہرست ہی بن جاتی تو شاید ان کی مقدار اور قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا

شہادت سلطانی کے چھ سال بعد میجر سٹوارٹ نے سلطانی کتب خانے کی ایک فہرست مرتب کی جو سنہ ۱۸۰۸ء میں کیمرج سے چھپ کر شائع ہوئی، اس میں میجر نے ان تمام کتابوں کا حال لکھا ہے جو اس وقت سلطانی کتب خانے میں موجود تھیں، ان میں وہ کتابیں بھی آ گئی ہیں جو سلطنت خداداد میں تصنیف کی گئیں، ایسی کتابوں کی ایک تعارفی فہرست ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے، یہ فہرست مشتے نمونہ از خروارے کا حکم رکھتی ہے،

## فارسی

### تاریخ

۱. کیفیت راجہ ہائے میسور، شکستہ خط، ایک کنڑی کتاب کا فارسی میں ترجمہ ہے جو سلطان کے حکم سے کیا گیا

### تصوف

۲. ہیژدرس عرفانی :. سرنگاپٹم میں لکھی گئی اور سلطان کے نام سے معنون کی گئی

۳. زاد المجاہدین :. شکستہ خط، جہاد کے احکام کے بیان میں سرنگاپٹم میں لکھی گئی اور سلطان کے نام سے معنون کی گئی.

۴. وعظ المجاہدین، شکستہ خط، سلطان کے حکم سے سرنگاپٹم میں لکھی گئی، اس میں جہاد کے فضائل بتلائے گئے ہیں

### نظم

۵. قصہ ہائے داد بخت، نستعلیق خط، حسین علی ملک الشعراء سلطانی نے سنہ ۱۷۸۸ء میں نظم کیا تھا

۶. لعل و گوہر، نستعلیق خط، یہ بھی اسی کی تصنیف ہے

۷. قصہ ہائے زیب و نگار، ہندوستانی عاشقانہ کہانیاں ہیں جس کو محمد رضا نے نظم کیا تھا

۸. مؤید المجاہدین، نستعلیق خط، سال بھر کے خطبات جمعہ فارسی نظم میں ہیں جو سلطان کے حکم سے تیار ہوئے اور سلطنت کی مختلف مساجد میں پڑھے جاتے تھے، سب خطبے جہاد کی فضیلت میں ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان کا مصنف میر زین العابدین تھا، جو میر عالم حیدر آبادی کا بھائی اور سلطان کا میر منشی تھا، ان خطبوں میں شہنشاہ دہلی کے نام کے بدلے سلطان کا نام ہے، یہ تحریک اصولی کے حامل

قطب المکاشفہ کی تھی کہ شہنشاہ دہلی آزاد نہیں،
انگریزوں کا وظیفہ خوار ہے، اس کا نام کیوں پڑھا
جائے، سلطان نے اسے منظور کر لیا تھا

## اردو و دکنی

۹. مفرح القلوب، نستعلیق خط، چند رسین کی
ہندی کی کتابوں کے [illegible] ترجمہ کا اردو ترجمہ جو
سلطان کے [illegible] سلطان کے
نام سے معنون ہے

۱۰. رسالہ رنگ و بو، نستعلیق، سلطان کے حکم سے
لکھا گیا، اس میں کپڑوں کی رنگائی اور عطر سازی کے
نسخے مرقوم ہیں

۱۱. مفردات در علم طب، شکستہ، سلطان کے حکم
سے فارسی سے ترجمہ کی گئی [illegible] دو کتابوں پر تبصرہ کرتے
ہوئے میجر [illegible] نے لکھا ہے کہ سلطان علوم و فنون کے
سرپرست تھے اور مختلف علوم و فنون پر چتالیس
کتابیں اپنی نگرانی میں لکھوائیں، افسوس ہے کہ اس نے
ان کتابوں کے نام نہیں بتائے

۱۲. استخراج التقویم، شکستہ، نجوم پر ہے، سلطان
کے حکم سے لکھی گئی، ایک باب جغرافیہ پر بھی ہے، سات
سال کی تقویم اور موسموں کا حال وغیرہ سب اس میں
آگئے ہیں

## طب

۱۳. بحر المنافع، شکستہ، سنہ ۱۱۹۳ء میں
تصنیف ہوئی، دایہ گری کے اصولوں اور معالجہ صبیان
پر مشتمل ہے، سلطان کے نام سے معنون ہے

۱۴. تحفہ محمدی، محمد نصیر افرترک نے لکھی، اس میں
ادویات کی تشریح حروف ابجد کی ترتیب سے لکھی گئی ہے

۱۵. قانون در علم طب، محمد نصیر افرترک نے لکھی،
دیباچے میں لکھا ہے کہ اس میں مغربی ممالک کے حکما کی
متعدد کوششوں کا نچوڑ ہے، سلطان کے حکم سے سرنگاپٹم
میں تیار ہوئی

۱۶. ترجمہ کتاب فرنگ، سلطان کے حکم سے سرنگاپٹم
میں لکھی گئی، اس میں آنتوں میں بل پڑنے کے معالجات
کی بحث ہے

۱۷. ترجمہ کتاب انگریز، بجلی کے اور طبی علاج پر
ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ جو سلطان کے حکم سے کیا گیا

۱۸. تحفۂ کان علاج، گھوڑوں کے علاج پر ہے جو
ہندی سے ترجمہ کی گئی

## فقہ

۱۹. فتاوای محمدی، سلطان کے حکم سے سرنگاپٹم کے
علماء نے تیار کی، اس میں ۳۱۲ باب ہیں

۲۰. جامع عباسی، عبدالرحمن عباس نے تصنیف
کی اور سلطان کے نام سے معنون کیا

۲۱. قاعدۃ المسلمین، فقہ کے مسائل کا مجموعہ ہے

۲۲. فخر الشیوخ، یہ بھی فقہ میں ہے

۲۳. رکوعات قرآن مجید، سلطان کے حکم سے
تصنیف ہوئی

۲۴. فتح المجاہدین، یہ عہد سلطانی کی بہترین اور
مشہور ترین کتاب ہے، سلطان کے حکم سے سید
زین العابدین نے لکھی، یہ کتاب شائع ہو چکی ہے،

۲۵. خلاصہ سلطانی، سید امام الدین اور محمد
عبدالصمد قاضی سرنگاپٹم نے سلطان کے نام سے

اردو میں ترجمہ کیا

## مخلفات

۲۶۔ کلیہ زبان فنی، یہ تعلق آموز کتابچہ ہے۔

ان کے علاوہ میجر سٹوارٹ صاحب نے کچھ اور کتابوں کا ذکر کیا ہے، جیسے رسالہ پندکہا، منتخب ضوابط سلطانی، رسالہ کچہری، ضابطہ اشال راہ رفتہ سواری، وقائع منازل، روزنامہ وکلاء حیدرآباد، آتالیق شہزادہ، مجموعہ سندات، حکم لمعہ کتاب اخبار (اس میں اہم واقعات کا بیان ہے) کتاب خواب ہا (سلطان اپنے خواب لکھ دیتے تھے) مکاتیب سلطانی، حکم نامہ وکلاء غلام علی خان وغیرہ، روزنامچہ وکلائے حیدرآباد، حکم نامہ جاسوسان، آئین سلطانی، یہ سب متعدد جلدوں پر مشتمل ہیں، ان میں سے صرف معدودے چند کا ترجمہ ایشیاٹک آنول رجسٹر میں چھپا ہے،

میجر صاحب نے ایک کتاب سلطان التواریخ کا بھی ذکر کیا ہے، یہ سلطنت خداداد کی تاریخ ہے جو سلطان خود اپنے دست مبارک سے لکھتے تھے، اس کے کچھ اقتباسات صحیفہ ٹیپو سلطان میں محمود بنگلوری نے کرک پیٹرک سے ترجمہ کرکے پیش کئے ہیں، اس کتاب کا ذکر وِلکس نے بھی اپنی تاریخ میسور میں کیا ہے، یہ کتاب لندن بھیج دی گئی اور دوسری سب کتابیں بھی زوالِ سلطنت کے بعد غنیمت میں چلی گئیں

یہ ساری کتابیں سلطان کے حکم پر اپنی کی نگرانی میں یا ان کے خواہش پر لکھی گئی تھیں، صاف ظاہر ہے کہ یہ جامع اور مکمل فہرست نہیں ہے، کیونکہ "قلم در کف دشمن است" تاہم اس سے سلطان کے ذوق و شوق علم و فن اور سرپرستی کا کچھ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے

دربار سے باہر غیر سرکاری طور پر جو تصنیف و تالیف کا کام ہوا، اس سے ہم بہت کم واقف ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرف محققین نے توجہ نہیں کی، مختلف مآخذ سے چند شعراء کے نام معلوم ہوتے ہیں، ان میں سے اکثروں نے اپنے دیوان چھوڑے ہوں گے، مثلاً عاصی، خادم، فقیر، شہباز، شاکر طرب، عزت، اسحق وغیرہ، حیدر علی خان کے عہد کے ایک بزرگ کو چند رسالوں کا مصنف بتایا جاتا ہے جو تصوف پر تھے، ان میں چند فارسی میں تھے اور چند اردو میں، اسی عہد کے ایک عالم محمود خاں شیرانی کا نام تو مشہور ہے، ان کا منظوم رسالہ چار کرسی ملک بھر میں رائج ہے۔

حضرت شاہ کمال مشہور صوفی سرنگاپٹم میں رہتے تھے ان کا دیوان مطبوعہ ملتا ہے اور بہت مشہور ہے، عہد سلطانی میں طرب نے اردو میں ایک مثنوی فتح نامہ لکھی جس میں مرہٹوں سے جنگ کا حال نظم کیا تھا، محمد اسحق نے سنہ ۱۲۰۶ء میں مثنوی ریاض العارفین اردو میں لکھی، اگر ریاست کے مختلف حصوں میں چھان بین کی جائے اور تحقیق و درایت سے کام لیا جائے تو اور بہت سی تصنیفیں منظر عام پر آسکتی ہیں۔

# حیدر علی ٹیپو سلطان

**شاہ ابوالحسن ادیب میسوری**
مولوی فاضل، منشی فاضل، ادیب فاضل

جنگ کے دو صاحب قرآں   دین کی آن اسلام کی شان
مرد مجاہد با ایماں   ہاتھ میں دونوں کے قرآں
روح دکن اور ہند کی جان
حیدر علی ٹیپو سلطان

باپ اور بیٹا دونوں شیر   ایک مجاہد ایک دلیر
انگریزوں کا ہیرا پھیر   جانپ گئے پھر کی نہ دیر
بولے وطن ہے ہندستاں
حیدر علی ٹیپو سلطان

انگریزوں کا ڈھنگ ہے اور   دیکھ رہے تھے دونوں بغور
دولت دلی ہے کمزور   اس کا تدارک ہو فی الفور
دونوں یہ کہتے تھے ہر آں
حیدر علی ٹیپو سلطان

مغلیہ دور پہ زوال   نہیں ہے اچھا اس کا مآل
بڑا ہے انگریزوں کا جال   اس کا تدارک ہو فی الحال
غفلت ہے ذلت کا نشاں
حیدر علی ٹیپو سلطان

ہندی کیوں انگریز بنیں   اپنے وطن کو کیوں نہ بچیں
ہند کی دولت کیوں لوٹیں   کیوں نہ جہاد ہم اب کریں
بولے دونوں شیر ژیاں
حیدر علی ٹیپو سلطان

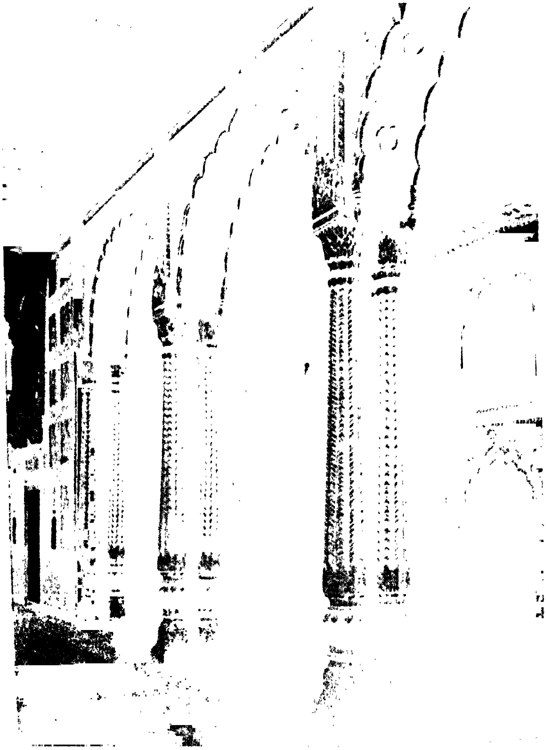
جان فدا میں باپ نے دی   رہ گیا تنہا شیر جری
تیغ جو اس نے ہاتھ میں لی   نمک حرامی بول اٹھی
خون میں آ آ ہو غلطاں
حیدر علی ٹیپو سلطان

اپنی فوجیں کیں تیار   انگریزوں پر کی یلغار
لے کر ہاتھوں میں تلوار   دین کا حامی شاہ سوار
بہادر یکتائے زماں
حیدر علی ٹیپو سلطان

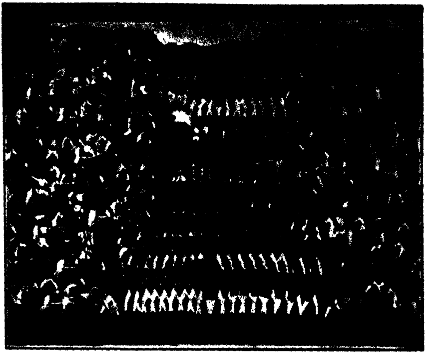
انگریزوں کی مکاری   قدم قدم بڑھتی جاری
اپنوں نے کی غداری   ہو کے اخوت سے عاری
مرض کا ایسے کیا درماں
حیدر علی ٹیپو سلطان

قمر الدین سالار سپاہ   ماموں زاد انجام تباہ
بد اطوار و قلب سیاہ   شاہ کا تھا وہ بھی بد خواہ
جس سے پہنچا سخت زیاں
حیدر علی ٹیپو سلطان

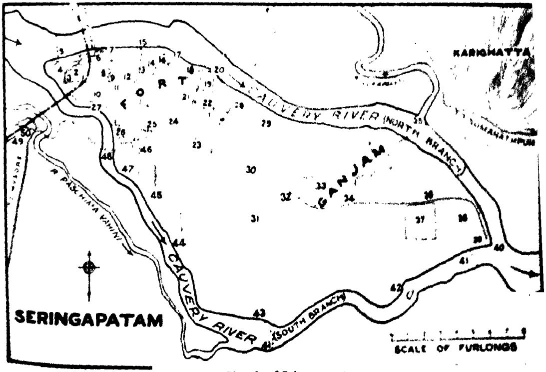
شاہ نے دیکھا جب یہ حال   دکھائی اپنی شان جلال
پائی شہادت حسب خیال   خدا نے بخشا حسن مآل
اس پہ ادیب اب کیا ہے گماں
حیدر علی ٹیپو سلطان



Darya Daulat *(Interior View)*



Painting on a wall of Darya Daulat




Outline Sketch of Srirangapatna

# صادق از دکن

عبدالمتین
سینئر بی اے
مہاراجا کالج میسور

علامہ اقبالؒ نے ہندوستان میں مسلم حکومت کا چراغ ہمیشہ کے لئے بجھا دینے کی بنگال کے میر جعفر اور میسور کے میر صادق نے جو کامیاب کوشش کی اس کا جامع ترین بیان اس شعر میں کر دیا ہے

جعفر از بنگال و صادق از دکن ننگ آدم ننگ دین ننگ وطن

شاید اس المناک داستان کا اس سے بہتر بیان نہیں ہو سکتا، ان دونوں کو عالم انسانی میں وہی شہرت حاصل ہے جو شیطان یا ابلیس کی ہے، اور قیامت تک نیکوں کی نیک نامی کے ساتھ ساتھ ان غداران ملت کی بدنامی برابر باقی رہے گی۔

میر جعفر کے حالات زندگی تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں مگر میر صادق کی حیات اور کارروائیوں پر ایک پردہ سا پڑا ہوا ہے، ڈیڑھ سو برس کے بعد بھی اس کی بعض اہم کارستانیوں کا حال نہیں کھلا، وجہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں کوئی تحریر نہیں ملی، یہ تو سب کو معلوم ہے کہ زوال سلطنت خداداد کے بعد انگریزوں نے تمام کاغذات اور دفاتر پر قبضہ کر لیا، نہ ان کو منظر عام پر آنے دیا نہ اپنی شرارتوں کی داستان سنائی، اور غداروں کی غداری کا حال ہمیشہ کے لئے مفقود ہو گیا، لیکن

زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

کے بمصداق میر صادق کی بدنامی سرنگا پٹم کی شہرت سے زیادہ رہی اور رہے گی

سرنگا پٹم یا سلطان شہید کا ذکر آتے ہی میر صادق کی غداری کا تصور آنکھوں میں آجاتا ہے، جنوبی ہند میں اس کا نام ایک عام استعارہ بن چکا ہے، فقط اردو میں نہیں بلکہ کرناٹک کی زبان کنڑی میں بھی، سرنگا پٹم میں مسافر پہنچتا ہے تو مقبرۂ سلطانی کے راستے میں اسے اس غدار ملت کی قبر دکھائی جاتی ہے، جو قبر کی سی تو نہیں مٹی کا ایک تودہ دکھائی دیتی ہے، آج بھی اس پر ایک پرانی جوتی رکھی ہوئی ہے، ہر راہ رو اس سے اس قبر پر ایک ضرب ضرور لگا دیتا ہے، حالاں کہ یہ امر غیر شرعی اور غیر مستحسن ہے مگر عوام کے رجحان کو کیا کیا جائے

نواب محمد علی والاجاہ نے سنہ ۱۷۶۸ء میں انگریزوں، مرہٹوں اور حیدر آبادیوں کی مدد سے کولار پر قبضہ کر لیا تھا جو سلطنت حیدری کا ایک اہم مقام تھا، یہ شخص ہمیشہ نواب حیدر علی خاں کے خلاف مخالفت اور عداوت کی آگ بھڑکایا کرتا تھا، کچھ دن بعد اسے اور اس کے ساتھیوں کو ایسی شکست کھانی پڑی کہ سب کے سب فرار ہو گئے اور میدان نواب صاحب کے ہاتھ رہا

ایک عہد نامہ آپ کے اور انگریزوں کے مابین صلح کا ہو گیا، لیکن اس کے بعد بھی نواب ارکاٹ اپنی

اپنی شرارتوں سے باز نہ آیا اور برابر خفیہ سلسلہ جنبانیاں کرتا رہا تو اس کم بخت سال بعد سنہ ۱۷۸۰ء میں نواب حیدر علی خاںؒ نے ارکاٹ پر حملہ کردیا، اور تین ماہ کے محاصرے کے بعد قلعہ فتح کرلیا، نواب محمد علی تو انگریزوں کی پناہ میں مدراس فرار ہوگیا، مگر اس کے کچھ سردار جیسے سید حمید، راجا بیربر اور میر صادق وغیرہ نواب حیدر علی خاں کی ملازمت میں آگئے، اس طرح میر صادق سلطان شہید کی شہادت سے اکیس سال قبل سلطنت خداداد میں داخل ہوا اور سرکاری ملازمت اختیار کرلی، اس کا نام میر محمد صادق تھا، کہا جاتا ہے کہ میر صادق اس سے پہلے سرا میں ملازم اور مقیم تھا، وہ سرا کا متوطن تو نہیں تھا البتہ حیدرآباد سے یہاں آکر بس گیا تھا، پھر ارکاٹ کی نوابی میں ملازم ہوگیا پھر حیدر علی خاں کی ملازمت میں داخل ہوگیا، ظاہر ہے کہ ایک مدت تک اس نے آپ کے دشمنوں کی ملازمت کی تھی، ان کے متعلقہ دیکھے تھے اور لازمی طور پر اس کا دل حیدر علی خاںؒ کی عداوت سے پر تھا، چنانچہ وہ انتقامی جذبے کے کر یہاں آیا اور اکیس برس تک اس دربار میں رہ کر اپنے دل کی بھڑاس نوب نکالی، گمان غالب ہے کہ نواب ارکاٹ اور انگریزوں نے اپنا خفیہ کارکن اور جاسوس بناکر سلطنت خداداد کی ملازمت میں بھیجا ہو

نواب حیدر علی خاں بہادر نے پہلے تو اسے ارکاٹ کے مفتوحہ علاقے کا ناظم مامور کیا، پھر فوج کی سرداری دی، کہا جاتا ہے کہ نواب صاحب نے وفات سے پہلے خفیہ ہدایت ٹیپو سلطان کو بھیجی تھی کہ تخت نشین ہوتے ہی کچھ امرا خارجت اطوار کے ساتھ ہی ساتھ میر صادق کا بھی صفایا کردیا جائے، کیوں کہ آپ کی دوررس اور حقیقت شناس نظروں نے ان کی حقیقت کو جان لیا تھا مگر سلطان کی نرم مزاجی اور رحم دلی تو مشہور ہے، سیدھے سادے مسلمان تھے، آدمی کے ظاہر کو دیکھ کر مطمئن ہو جاتے تھے، میر صادق نے آپ کو بدگمانی کا موقع ہی نہیں دیا، آخر دل کے اطمینان اور یقین کی خاطر آپ نے اپنے اور افسروں وزیروں اور سرداروں کے ساتھ ساتھ اس سے بھی وفاداری کا حلف لیا اور خاموش رہ گئے، آخر میں اس کی غداری کا حال سلطان پر اظہر من الشمس بھی ہوگیا تو آپ نے اسے کوئی سزا نہ دی، یہ آپ کی ضرورت سے زیادہ نرمی تھی اور اہلِ دانش اسی کو آپ کی سب سے بڑی سیاسی لغزش گردانتے ہیں

میر صادق ایرانی نسل کا سید تھا، ایران اور ہندوستان میں سید کو میر اور خواجہ بھی کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ حیدرآباد کا وزیر اعظم میر عالم اس کا بھائی تھا، دونوں شیعہ مسلک کے تھے، ٹیپو سلطان نے تخت نشین ہونے کے بعد اسے ترقی دے کر پہلے آصف، پھر معتمد اعلیٰ اور آخر وزیر اعظم بنا دیا، کہا جاتا ہے کہ سلطان نے ایک بار کسی جرم کی پاداش میں اسے ملازمت سے عارضی طور پر موقوف کردیا تھا تو یہ ان سے بد دل ہوگیا اور انتقام لیا، لیکن واقعات صاف صاف بتا رہے ہیں کہ وہ ابتدا ہی سے بد طینت تھا،

میسور کی تیسری جنگ کا فیصلہ سنہ ۱۷۹۲ء

جب نامۂ صلح پر ہوا تو سلطان نے اپنی فوجی طاقت میں نئی روح پھونکی اور سلطنت کے انتظام کو بھی سدھارنے کی کوشش کی تاکہ پھر دشمنوں کے مقابلے میں عاجز ہونا نہ پڑے ۔ آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ آپ کے اطراف سازشوں اور مکاریوں کا جال بچھا ہوا ہے، اور خود آپ کے سردار غنیم سے در پردہ ملے ہوئے ہیں ۔ سنہ ۱۷۹۶ء میں صلح نامے کی شرطیں پوری ہو گئیں اور شہزادے جو یرغمال کے طور پر انگریزوں کے حوالے کر دئے گئے تھے واپس آگئے تو اس خوشی میں سلطان نے ایک جشن اعلیٰ پیمانے پر منایا، تمام افسروں وزیروں اور امیروں کی دعوت کی، کھانے کے بعد ان کے سامنے نہایت پر جوش اور موثر تقریر کی جس میں جہاد کی فضیلت اور ضرورت کا بیان تھا، پھر سب سے وفاداری کا حلف لیا اور سرخ خلعت تقسیم کئے

"ماڈرن میسور" میں میر صادق نے اس موقع پر جو عہد کیا تھا اس کا ذکر کیا گیا ہے، یہاں اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے .

## "عہد نامہ میر صادق"

میں میر محمد صادق، نمک خوار و ملازم سرکار خداداد، اپنے پروردگار اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام اللہ کو حاضر و ناظر اور شاہد سمجھ کر اور خدا کی قسم کھاتے ہوئے صدق دل سے اقرار کرتا ہوں کہ میں نہایت وفاداری سے اپنے آقا سلطان کی اطاعت کروں گا، اور اسی کے حکم کو ہر چیز پر مقدم سمجھوں گا، میرا دل کبھی اس کی اطاعت سے منحرف نہ ہوگا، میری زبان کبھی اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہ کہے گی، میری آنکھ کبھی اس کی برائی نہ دیکھ سکے گی، میرے کان کبھی اس کے خلاف نہ سن سکیں گے، میرے ہاتھ ہمیشہ اس کی بھلائی اور برتری کے لئے کوشاں رہیں گے، اور میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اس کے خلاف جو کچھ دیکھوں گا یا سنوں گا، اسی وقت حضور میں بیان کر دوں گا ۔ اگر خدا نخواستہ مجھ سے ان مذکورۂ بالا شرائط کی خلاف ورزی ہو جائے یا میری اطاعت میں فرق آجائے تو میں خدائے برتر و قادر کو جس کا دوسرا نام منتقم بھی ہے حاضر و ناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ وہ مجھے اپنے غضب میں پکڑے اور مجھے تباہ کر دے"

لیکن جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا، میر صادق نے یہ عہد دل سے نہیں زبان سے کیا تھا، اس کے ایک لفظ پر بھی قائم نہ رہا، آخر منتقم حقیقی کے انتقام میں گرفتار ہوا سلطان کی شہادت سے قبل ہی مارا گیا

اس عہد نامے کے بعد بھی میر صادق اس کے برعکس کام کرنے لگا، حیدر آباد اور مدراس سے اس کے خفیہ تعلقات برابر قائم رہے ۔ سلطنت کے اہم معاملات کی خبریں وہ برابر انگریزوں کے پاس بھیجتا رہا ، سلطنت کے اندر یا باہر سے جو خبریں آتیں انکو وہ اپنے ہی پاس روک لیتا تھا یا ترمیم کر کے پیش کرتا اس طرح سلطان حالات اور واقعات سے بالکل بے خبر ہو گئے، انگریزوں کی سازش کے مطابق میر صادق رعایا پر جبر و ظلم کرنے لگ گیا تاکہ ہندو اور مسلمان دونوں سلطان کے مخالف ہو جائیں، مندر تڑوائے، چند ضبط یہ تشدد کیا اور اس کا ذمہ دار سلطان کو قرار دیا ، وفاداروں اور نمک حلالوں نے سلطان کو آگاہ کرنا

وشش کی تو انہیں اپنی سازشوں کے جال میں پھنسا کر ملک کے کانٹوں کی طرح ہٹا دیا، اپنی کارگزاریوں کے متعلق اس نے سلطان کو کبھی شک و شبہ میں پڑنے نہ دیا، بات بات پر ان کے روبرو قرآن مجید کی قسم کھاتا تھا اور خدائے تعالیٰ کو اپنے اقوال پر گواہ ٹھہراتا تھا،

اس زمانہ میں سلطان نے جو مجلس شوریٰ مجلس وطنی یا "زمرۂ غم نباشد" کے نام سے بنائی تھی اسے بھی اس نے بیکار کر دیا، انگریزوں، مرہٹوں اور حیدرآبادیوں کے خفیہ خبر رساں اور کارندے اس کے پاس برابر آتے تھے، دوسری حکومتوں سے جو خطوط آتے وہ سلطان تک پہنچنے نہ دیتا اور سلطان کے خطوط کی ترسیل میں روڑے اٹکا دیتا تھا۔ اسی طرح ایلچیوں کو بھی اپنے ہاں سے واپس لوٹا دیتا تھا

میسور کی چوتھی یا آخری جنگ کے اسباب اکثر و بیشتر میر صادق کی غداری پر مبنی تھے، انگریزوں کو اس شخص کی حمایت اور درپردہ اعانت کا یقین تھا، چنانچہ اس نے زمین تیار کر دی، اس عہد کے گورنر جنرل کے خطوط سے اس حقیقت کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے، اس نے دوسرے امیروں اور وزیروں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور ان سے انگریزوں نے جو وعدے کئے تھے ان کا حال تو سب کو معلوم ہے، کسی جاگیر کا وعدہ تھا کسی سے سلطنت کا، راجا کے خاندان کے افراد جو سازشیں سلطان کے خلاف کر رہے تھے ان کا اسے علم تھا، اس نے یا تو چشم پوشی سے کام لیا یا اس تحریک کا بھی ساتھ دیا

آخر کار سال ۱۷۹۹ء کا آغاز ہوا تو انگریز بھی خفیہ طور پر میر صادق اور پورنیا کے ہاں آنے جانے لگے، سلطان کو کبھی کبھار کوئی خبر مل جاتی اور اسے دریافت کرتے تو وہ یقین دلا دیتے کہ یہ سب جھوٹی خبریں ہیں، کسی کی کیا مجال کہ دارالسلطنت میں آئے، ادھر انگریزوں اور حیدرآبادیوں کی فوجیں سلطنت میں داخل ہو گئیں، ایک ایک مقام پر قبضہ کرنے لگیں، لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا، دشمن کی فوجیں دو طرف سے پایہ تخت کے قریب پہنچ گئیں تو اس وقت سلطان کو خبر ملی، آپ نے دونوں محاذوں پر جو پایہ تخت سے چند میل کی مسافت پر واقع تھے مقابلہ کیا، مگر دونوں محاذوں پر دشمن کو روکنا مشکل تھا، سلطان کے اطراف سازشوں اور غداروں کا جال الگ بچھا ہوا تھا، چنانچہ جب مشرقی محاذ پر مصروف تھے کہ مغربی محاذ سے دشمن کی پایہ تخت کی طرف پیش قدمی کی خبر ملی، میر صادق کے چند غدار ساتھی دشمن کی فوج کی رہنمائی کر رہے تھے، مجبوراً سلطان سرنگاپٹم لوٹ آئے اور قلعہ میں محصور ہو گئے،

میر صادق اور اس کے ساتھی نمک حراموں کی کارستانیاں شباب پر پہنچ گئیں، اس وقت سلطان کو بھی اس کا یقینی علم حاصل ہو گیا، فرانسیسی دستے کے سردار نے رائے دی کہ آپ اپنا خزانہ اور حرم کو ساتھ لے کر دس ہزار فوج کے ساتھ راتوں رات یلغار کرتے ہوئے چتل درگ روانہ ہو جائیے اور قلعہ ہمارے حوالے کر دیجئے، سلطان اپنے نمک حلال فرانسیسی دوستوں کو اس طرح خطرے میں ڈالنے پر آمادہ نہ ہوئے، اس سلطنت میں وزیر اعظم میر صادق

اور وزیر مالؔ پورنیا سے مشورہ کیا تو دونوں نے اس تحریک کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ انگریز اور فرانسیسی دونوں ایک قوم ہیں، ان پر بھروسہ کرنا بڑی غلطی ہوگا، انہوں نے کس سے دغا کی ہے، آپ قلعہ ان پر چھوڑ جائیں گے تو آپ کے تشریف لے جاتے ہی یہ اسے دشمن کے حوالے کردیں گے، چنانچہ سلطان اس خیال سے باز آگئے، آپ نے کم سے کم خزانہ اور حرم کو چتل درگ روانہ کردینے کا خیال کیا تو ان لوگوں نے پھر مخالفت کی اور سلطان کو اس سے باز رکھا

پایہ تخت کے چاروں طرف دشمن کی فوج جمی ہوئی تھی، مقابلہ ہو رہا تھا مگر قلعہ پر دشمن کا حملہ کامیاب ہوتا اور قلعے سے جو جواب دیا جاتا بے کار جاتا تھا، یہ سب باقاعدہ سازش کے مطابق ہو رہا تھا کہا جاتا ہے کہ انگریزی فوج کا سپہ سالار دو دفعہ قلعے میں آیا بھی تھا، میر عالم، میر صادق کا بھائی حیدرآبادی فوج کے ساتھ تھا، شہادت کے دن میر صادق اپنی غدارانہ کارروائیوں میں پوری طرح منہمک اور مصروف رہا، دشمن کی فوجیں غداروں کی مدد سے قلعے میں داخل ہوگئیں، سلطان ایک درخت کے نیچے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ وفادار سید غفار سپہ سالار کی شہادت کی خبر ملی، یہ سنتے ہی سلطان کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے، اس وقت سردار اور امراء وزراء سامنے کھڑے تھے جن کی غداری کا حال آپ پر عالم نشرح ہوچکا تھا، ان سے بڑے رنج کے ساتھ کہا کہ تمہیں اپنی غداری کا مزا اس وقت چکھنا پڑے گا جب تمہاری نسلیں اس ملک میں محتاج ہوکر ایک ایک دانہ چاول اور چپاتی کی ایک ایک ڈلی کو ترسیں گی، پھر اسلحہ سے آراستہ ہوکر روانہ ہوگئے

قلعے کے ایک دروازے سے جسے ڈڈی دروازہ کہتے ہیں گزر کر سلطان فصیل پر پہنچ گئے اور دست بدست لڑنے لگے، میر صادق برابر پیچھے لگا ہوا تھا، سلطان کے جاتے ہی اس نے دروازہ اندر سے بند کرا دیا تاکہ سلطان واپس آنے نہ پائیں اور وہیں شہید ہوجائیں کہتے ہیں کہ ایک بار سلطان پیچھے ہٹتے ہوئے دروازے پر آئے تاکہ قلعے کے اندر آجائیں مگر اسے بند پایا، نتیجہ یہ ہوا کہ بہادرانہ لڑتے ہوئے وہیں شہید ہوگئے کہا جاتا ہے کہ فصیل پر سلطان کی موجودگی کی خبر بھی انگریزوں کو میر صادق ہی نے دی تھی، اس وقت اس کی غداری اور مکاری کا حال سرنگا پٹم کے باشندوں اور فوج کے سپاہیوں پر اچھی طرح کھل چکا تھا، میسور کی تیسری جنگ کے بعد ہی لوگ اس پر شک و شبہ کرنے لگے تھے، شاید ہو لوگ سلطان کے سب اسے غدار سمجھنے لگے تھے، جتنی بدعنوانیاں ہوتیں سب اسی سے منسوب کی جاتیں، سب کو یقین تھا کہ انگریزوں کو اسی نے قلعے کے باہر اور اندر پہنچایا ورنہ ان کو اتنا موقع نہ ملتا، جب اس نے دروازہ بند کرا دیا تو سپاہیوں کو یقین ہوگیا کہ اس نے سلطان کو نرغے میں پھنسا دیا، مگر کسی میں ہمت نہ تھی کہ وزیر اعظم پر آنکھیں نکالے، آخر کار کڑاپہ کے ایک پٹھان قادر خاں نے پہل کی اور اسے غداری کی سزا دینے کو آگے بڑھا، سب سپاہیوں نے اس کا

ساتھ دیا، مکار اور غدار میر صادق نے فرار ہونے کی کوشش کی، مگر ناکام رہا، سب سپاہیوں نے مل کر ہی اس کا صفایا کر دیا، یہی نہیں، اس کی لاش پر اتنی ضربیں لگائیں کہ لاش چور چور ہو گئی اور وہیں پڑی رہی

انگریزوں کو پتا لگا تو بنگلوری دروازے میں دفن کرا دیا، مگر مسلمانوں نے قبر کھود کر پھر لاش باہر نکالی اور دل کھول کر اس کی توہین کی، پندرہ دن یہ حال رہا، آخرکار انگریزوں نے اس مقام سے کچھ دور پھر اسے دفن کرا دیا، ان کو علم نہیں تھا اس لئے شمال جنوب رخ کے بدلے مغرب مشرق رخ دفن کرا دیا، اب اس قبر کا نشان نہیں ملتا، یہ قبر مسجد اعلیٰ کے سامنے فصیل پر واقع تھی مگر یہی قبر ابھی وقتی رکھی ہوئی ہے۔ دوسرے غداروں سے بھی یہی سلوک ہوتا لیکن انگریزوں نے اپنے وفاداروں کے گھروں پر پہرہ بٹھا دیا تھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ میر صادق دراصل اپنے بھائی میر عالم کے ساتھ چھپتے چھپاتے حیدرآباد پہنچ گیا، مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، الغرض اس ذلت اور رسوائی کی موت کی مثال شاید اور کہیں نہ ملے گی، سلطان کی شہادت میر صادق کے مرنے کے بعد ہوئی اور یہ غدار اس سے پہلے اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا

میر صادق اس بات پر تلا ہوا تھا کہ سلطان شہید ہو جائیں، وہ ان سے انگریزوں کی صلح کا بالکل خواہاں نہیں تھا، ممکن تھا کہ اس

کی غداری کا حال کھل جاتا اور اسے سزا بھگتنی پڑتی، بہرکیف سلطان کی شہادت اور سلطنت خداداد کی تباہی کا اکیلا ذمہ دار میر صادق تھا اس نے غداری کی نہ ہوتی تو آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی اور نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، ہندوستان کی غلامی کا ذمہ دار میر جعفر سے زیادہ میر صادق تھا، اس بات پر بڑی بحث کی گئی ہے کہ اس کی غداری کا سبب اور مقصد کیا تھا مگر کوئی کسی نتیجے پر نہیں پہنچا، مگر قرائن صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اس نے کسی انعام یا جاگیر کی خاطر غداری نہیں کی، وہ یہاں آیا ہی تھا سلطنت کا تختہ الٹنے کو اور گھن کی طرح کھا گیا، اس کے سوا اور کیا مقصد اور سبب ہو سکتا ہے

سرنگاپٹم کی سلطانی عمارت دریا دولت کی دیواروں پر میر صادق کی غداری کا منظر اور تصویر آج بھی موجود ہے، یہ تصویر لارڈ ولزلی کے حکم سے بنائی گئی تھی، اس میں میر صادق سلطان کے مرکب کے روبرو کھڑا ہے، ہاتھ تو سلطان کی طرف رخ کر کے جوڑے ہیں، مگر منہ انگریزی فوج کی طرف ہے، اس داستان کو پڑھنے کے بعد پھر علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھئے۔

؎

جعفر از بنگال و صادق از دکن  
ننگِ آدم ننگِ دیں ننگِ وطن

—•—

# ٹیپو کے بعد

عبدالہادی رفعت
بنگلور

(تیرے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت)

ستارے چھپ گئے چشمِ فلک نے اشک برسائے
خموشی چھا گئی ہر سمت پھیلے موت کے سائے

بڑھیں بیتابیاں اور بحرِ غم میں زندگی ڈوبی
صفِ ماتم بچھی اور عیش و عشرت کی کماں ٹوٹی

اداسی بڑھ گئی اور بیکسی نے جال پھیلائے
وہ ڈوبی نبضِ ہستی پھول امیدوں کے مرجھائے

نظامِ عیش بدلا یا ورق الٹا زمانے کا
مصائب گھر گئے جس دم چلن بدلا زمانے کا

ستم لو دے اٹھا اور آگ بھڑکی یورشِ غم کی
ہوئی پیشِ نظر تصویر اک قہرِ مجسم کی

کہاں وہ دن کہاں یہ دن پہ تیری یاد ہے اب تک
تری سطوت تری عظمت سے یہ دل شاد ہے اب تک

دلوں کو اب بھی تیرے نام سے اک لطف ملتا ہے
چراغِ آرزو امید کی راہوں میں جلتا ہے

پلٹ کر آئے وہ دورِ مسرت یہ تو مشکل ہے
مگر کیا کیجئے یہ زندگی جینے پہ مائل ہے

# ولی بادشاہ

سید انور محمد
جونیئر، بی، اس، سی
یوراجا کالج، میسور

آج سے ٹھیک ایک سو ستر برس پہلے کی بات ہے، سنہ ۱۲۰۵ھ کا عمل ہے، جنوبی ہند کی عظیم الشان سلطنت خداداد کے دارالسلطنت ظفرآباد یعنی سرنگاپٹم کی جامع مسجد کا افتتاح ہو رہا ہے، یہ مسجد تین سال کی مدت میں بن کر تیار ہوئی ہے اور اس کا نام مسجد اقصیٰ کی رعایت سے مسجد اعلیٰ رکھا گیا ہے۔ چھتیس سال قبل اس جگہ وہ واقعہ ہوا تھا جسے تعمیر مسجد کی تحریک کہنا چاہیئے، یہاں ایک چھوٹا سا مندر اور چبوترا سا فرخانہ تھا، حیدر علی خانؒ راجا کی حکومت میں ایک نائک تھے اور راجا ان دنوں آپ سے ناراض تھا، ایک دن ٹیپو سلطان یہاں کھیل رہے تھے، پانچ سات برس کا سن تھا، اتنے میں ایک صاحب دل درویش ادھر آ نکلے نظر پڑتے ہی تاڑ گئے کہ یہ ہونہار بچہ ایک دن بادشاہ بنے گا، کہہ اٹھے "بیٹا! تو بڑا خوش نصیب ہے، ایک دن تو اس ملک کا بادشاہ بنے گا، اس وقت یہاں ایک ایسی مسجد بنوا دینا جو تیرے بعد تیری یاد دلاتی رہے"، ٹیپو سلطان نہ خوف زدہ ہوئے نہ حیران، ایک معصوم بچے کی طرح جواب دیا، "جب میں بادشاہ بنوں گا تو ضرور یوں ہی کروں گا"، اس وقت آپ کے والد حیدر علی خانؒ ریاست کی خدمت میں بے نظیر جاں بازی اور بہادری کے کارنامے دکھلانے کے بعد میسور کے راجا، وزیر کھنڈے راؤ اور مرہٹہ سرداروں کے حسد اور عداوت کا شکار بنے ہوئے تھے، ان کی بہادری اور جاں بازی نے میسور کے تخت و تاج کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی سلسلہ جنبانی اور گرد فساد سے نجات دلائی، مگر یہی بہادری اور جواں مردی ان کے حق میں سمِ قاتل بن گئی، راجا نے اطمینان کا سانس لیا تو وزیر کھنڈے راؤ نے اسے بھڑکا دیا کہ حیدر علی خانؒ کی قوت یوں ہی بڑھتی جائے گی تو ایک نہ ایک دن وہ آپ کے تخت و تاج پر قبضہ کرلے گا، وہ دراصل حیدر علی خانؒ سے جلتا تھا اور مرہٹے اسے ورغلا رہے تھے، وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کی راہ کا یہ کانٹا دور ہو جائے گا تو ان کی لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہ سکے گا، میدان جنگ میں تو ان کے مقابلہ میں انہوں نے ہر بار منہ کی کھائی تھی، چنانچہ کھنڈے راؤ اور مرہٹہ سردار ایسا جی نے حیدر علی خان پر حملہ کر دیا جو ان دنوں بنگلور کے قلعے میں محصور تھے، یہاں راجا نے ٹیپو کی والدہ اور عزیز و اقارب کو قلعہ میں قید کر لیا، شاید اس بچے کو کھیلنے پھرنے کی آزادی تھی، ٹیپو سلطان ان سب حالات سے واقف تھے مگر اس عمر میں بھی پریشانی اور مایوسی کو پاس تک پھٹکنے نہ دیتا

ان درویش کو بڑی خود اعتمادی سے جواب دیا
برس دو برس میں حیدر علی خاںؒ فاتح کی
حیثیت سے سرنگا پٹم میں داخل ہوئے، گمنڈشہرامُ
کو سزادی، راجا کے مصارف کا انتظام کیا، پھر
ریاست پر قبضہ کرلیا جسے آپ نے اپنی جواں مردی
سے اتنی وسعت بخشی تھی، اس واقعہ کے اکیس
برس بعد ٹیپو سلطان تخت نشین ہوئے، بزرگ
درویش کی پیشین گوئی پوری ہوئی، ہر دم یہ خیال
لگا رہا کہ ان بزرگ کی ہدایت اور فرمائش کی تعمیل
اور اپنے وعدے کی تکمیل کی جائے، مگر دشمنوں کے
مقابلے اور سلطنت کے انتظام سے اتنی فرصت نہ
ملی، آخر کچھ برس بعد اس طرف توجہ کی، مشکل
یہ تھی کہ وہاں مندر تھا اور سلطان اپنی ہندو
رعایا کو ناراض کرنا ناجائز سمجھتے تھے، بڑے غور و
خوض کے بعد آپ نے شہر کے پجاریوں اور ہندوؤں
کے عام اجتماع کا بند و بست کیا اور ان کے سامنے
اپنی خواہش ظاہر کی، فرمایا، اگر آپ لوگ ناراض
نہ ہوں اور اجازت دیں تو اس مندر کو یہاں سے
ہٹا دیا جائے گا اور اس کے بدلے ایک عالیشان مندر
جہاں آپ چاہیں بنوا دیا جائے گا، حاضرین نے بخوشی
اس کی اجازت دے دی، سلطان نے اس مندر
کو ہٹا کر پاس ہی ایک عظیم الشان مندر تعمیر کرا دیا
اور اس کے لئے بیش بہا تحفے دئے اور جاگیریں
وقف کردیں، یہ مندر مسجد اعلےٰ کے پاس کھڑا آج بھی
سلطان کی رواداری کا ثبوت دے رہا ہے اور اس
کے دستاویز زبان بے زبانی سے اس کی داد دے
رہے ہیں، جہاں پر سنہ ۱۲۰۲ھ میں یہاں
مسجد اعلیٰ کی بنا ڈالی گئی اور دو تین برس میں اس
کی تعمیر مکمل ہوئی

آج سلطان کو بڑا اطمینان اور بڑا سرور
حاصل ہے، ملک کے مختلف حصوں سے علماء کرامؒ
مشائخین عظام رسم افتتاح کے لئے آئے ہوئے ہیں
اور صف باندھے بیٹھے ہیں، شہر کے ہزاروں
مجاہد مسلمان بھی حاضر ہیں، سب کو پہلی جماعت
میں شریک ہوکر ثواب حاصل کرنے کا شوق ہے،
اتنے میں سلطان باوضو سیدھے سادے لباس
میں بڑے ادب سے پہلو کے دروازے سے مسجد میں
داخل ہوتے ہیں اور صف میں بیٹھ جاتے ہیں، نہ
کوئی تعظیم کے لئے اٹھتا ہے نہ آپ کسی سے تعظیم
کرانے کے روادار ہیں، یہ تو خدا کا دربار ہے، یہاں
شاہ و گدا میں کیا فرق ہو سکتا ہے، پھر سلطان تو
ایسے شاہ ہیں جن کی درویشی اور قلبیت میں کوئی
شک نہیں رہ جاتا، ادھر علماء و مشائخ میں اس
امر پر خیال آرائی ہو رہی تھی کہ پہلی جماعت کی
امامت کون کرے، آخر متفقہ فیصلہ ہوا کہ جو شخص
صاحب ترتیب ہو اسے امامت کا اعزاز بخشا جائے
چنانچہ اس فیصلے کا اعلان ہوتا ہے اور دعوت
دی جاتی ہے کہ جو صاحب، صاحب ترتیب ہوں
آگے بڑھیں اور امامت کریں، مگر ایک شخص بھی آگے
نہیں بڑھتا، پھر اعلان کیا جاتا ہے، پھر بھی کوئی
لبیک نہیں کہتا، تیسری مرتبہ پھر اعلان کیا جاتا ہے،
پھر بھی کسی سے جواب نہیں ملتا، آخر ٹیپو سلطان

یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں
"الحمد للہ میں صاحب ترتیب ہوں"
اور جامع مسجد قلعہ آباد کی پہلی جماعت کی امامت کرتے ہیں
یہ منظر جب آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے تو ٹیپو سلطان کی بلند مرتبہ شخصیت کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے، سب سے پہلے آپ ایک سچے مومن اور پکے مسلم تھے، پھر بادشاہ، آپ کی بادشاہی کی بنا آپ کی کامل ایمانی اور گہری اسلامیت پر قائم تھی، آپ دنیوی سلطان بھی تھے اور دینی اور روحانی مقتدا بھی، اور یہ وہ رنگ ہے جو خلفاء راشدین علیہم السلام کا وصف خاص تھا، آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے کے بعد آدمی اس یقین پر پہنچ جاتا ہے کہ آپ دلی بادشاہ تھے، ہندوستان کی تاریخ میں ایسا کوئی مسلم بادشاہ دکھائی نہیں دیتا اور عالم اسلام کی تاریخ میں خلفاء راشدین علیہم السلام کے بعد آپ کی سی مثالیں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں، ایسے عظیم المرتبت وجود پر سرزمین میسور جتنا ناز کرے کم ہوگا، کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

اپنی قسمت پر تو اے میسور بے حد ناز کر
خاک سے اٹھا ہے تیری ایک فخر روزگار

ٹیپو سلطان شہیدؒ قرآن و حدیث اور فقہ و تصوف کے اچھے عالم تھے، بچپن سے لے کر شہادت تک شریعت کی ایسی پابندی کی کہ شاید ہی کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہوا ہو، گناہ صغیرہ سے بھی ہمیشہ احتراز کرتے تھے، خدا و رسول کے احکام کی پابندی کا ہر گھڑی خیال لگا رہتا تھا، ایمان ایسا پختہ تھا کہ کبھی خدا اور آخرت کو نہیں بھولے جذبۂ جہاد کا مجسم تھے، سرفروشی کی سچی تمنا تھی، خدا کی رضامندی اور آخرت کے مقابلے میں بادشاہی اور مال و دولت کو بے معنی سمجھتے تھے، ہر بات اور ہر کام سے جہاد کا رنگ جھلکتا تھا، احکام جہاد کی جیسی تبلیغ آپ نے کی خلفاء راشدین کے بعد شاید ہی کسی مجاہد یا مبلغ نے کی ہو، آپ کا لباس بالکل شرعی ہوتا تھا، عیش و آرام سے سخت نفرت تھی، اور بادشاہوں کی طرح آپ کا کوئی حرم نہیں تھا، شرعی بیویوں پر اکتفا کرتے تھے، جن کی تعداد دو سے زیادہ نہ تھی، رہنے سہنے اور سونے بیٹھنے کے کمرے اور سامان بھی بالکل سیدھے سادے تھے، خالص اسلام کے پابند تھے اور سب مسلمانوں کو اس کا پابند بنانے تھے، مذہب اسلام کے سوا کسی اور طریقہ کی کسی کو اجازت نہ دی، کبھی نماز قضا نہ کی، اکثر مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے تھے اور مسجد میں کسی کو تعظیم کی اجازت نہ تھی، کھانا دن بھر میں دو وقت اور وہ بھی بالکل سیدھا سادہ کھاتے تھے، دربار میں کسی کو ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کی اجازت نہ دی، صبح کی نماز کے بعد گھنٹا بھر قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور رات کو سونے سے پہلے مطالعے میں لگے رہتے تھے، عمر بھر میں کبھی کوئی لغو کام نہیں کیا اور اوقات ضائع نہیں کئے، ہر خط اور ہر حکم کی ابتدا بسم اللہ سے کرتے تھے اور کسی سے حلف لیتے تو خود اللہ تعالیٰ کے نام پر لیتے، حلف کی وجہ سے جھوٹے کو بھی سچا اور غداروں کو بھی وفادار جانتے تھے، ستر پوشی کی اتنی پابندی آپ کے عہد میں تھی کہ آج بھی پٹن کی دیہی والیاں پوری آستین والی قمیص پہنتی ہیں، (بقیہ بقیات پہ دیکھئے)

# ٹیپو کے مزار پر

محمود ایاز
بنگلور

تو نے جس خاک کے ذروں کو جہاں تاب کیا
وہ زمیں آج بھی بے لعل و گہر ہے ساقی
تو نے جس شب کے اندھیروں میں اجالے ڈھونڈے
وہ فضا آج بھی محروم سحر ہے ساقی
لیکن اس ظلمت پیہم سے گراں بار نہ ہو
وہ ذرا دور پہ اک صبح کی تنویر بھی دیکھ
اس الم خانۂ تاریک سے کچھ اور پرے
اپنے ہر خواب کی رنگینیٔ تعبیر بھی دیکھ
جو ترے عزم جہاں تاب کو لے کر اٹھے
قافلے شاہد منزل سے بھی کچھ دور بڑھے
جرأت شوق جو ہو جذب جنوں ساز جو ہو
تا کجا چشم طلب پردۂ محمل کو تکے
آج اغیار کی ہر کاوش ناکام کو دیکھ
تیز تر ہوتے ہوئے شوق سبک گام کو دیکھ
سونے والے ذرا اس گردش ایام کو دیکھ

# سلطان کا دایاں بازو

جی، محمد حنیف
جونیئر بی ایس سی
سنٹرل ماڈل، بھکر

۱۷۹۹ء کے مئی کا وہ منحوس دن تاریخ ہند میں یادگار زمانہ بن کر رہے گا جب شیطانی قوتوں نے معصوم بھارت کو اپنے شکنجے میں کس کر اس کے گلے میں غلامی کا طوق پہنایا تھا۔ یہی وہ دن ہے جب ہند کی خودداری نے سسک سسک کر جان دی، غیرت و حمیت نے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑا، وقار پاؤں تلے روندا گیا اور آزادی کا گلا گھونٹا گیا تھا۔ یہی وہ دن ہے جب ہندوستان کی آزادی کا روشن چراغ سازشوں کی تند و تیز ہواؤں سے گل کیا اور غلامی کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ اسی دن شیر دکن نے اپنے سینے پر گولیاں کھائی تھیں۔ یہ وہی دن تھا جب مجاہد اعظم ہند سلطان ٹیپو جن کا قول تھا کہ ”گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے“ آزادی کی جنگ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، اور ہندستان کی خوش قسمتی اور آزادی کا جگمگاتا ہوا ستارہ بد قسمتی اور غلامی کے بیکراں اندھیرے میں ڈوب گیا، جس پر اسی وقت جنرل ہارس نے خوشی سے بے خود ہو کر نعرہ لگایا تھا کہ ”آج ہندستان ہمارا ہے“

اسی خونیں دن کی دوپہر تھی، ابھی ہندستان انگریزوں کا نہ ہوا تھا، گرمی جسموں کو جھلسائے دے رہی تھی، قلعہ سرنگا پٹم پر انگریزی فوج نے سختی سے حملہ کر دیا تھا، قلعے کے باہر انگریزی توپ خانوں نے اپنے شیطانی توپوں کے دہانے کھول دیے تھے، آہنی گولے فصیل سے ٹکرا کر دیواروں کو خستہ بنا رہے تھے۔ یوں تو سلطانی توپ خانے بھی آگ اگل رہے تھے مگر انگریزوں کو باوجود اس کے کہ وہ ان کی توپوں کی زد میں تھے کچھ نقصان نہ ہو رہا تھا۔ قلعہ کی دوسری جہتوں کی بہ نسبت جنوب مغرب کی طرف جو گنجان باغ کے سامنے تھی اس فصیل پر سختی سے گولہ باری ہوتی رہی اور یہ فصیل کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ مدافعت کرنے والی سلطانی سپاہ بڑھتی ہوئی تعداد میں زخمی ہو کر گر رہی تھی اور شہید ہو رہی تھی جو سپاہی زندہ تھے ثابت قدمی سے کھڑے مدافعت کر رہے تھے، وہ سر سے کفن باندھ کر آئے تھے کہ مر جائیں گے مگر پیچھے نہ ہٹیں گے۔ فصیل سے کچھ دور جہاں سیکڑوں لاشیں حسرتناک حالت میں پڑی تھیں اور زخمی سپاہی دردناک آوازوں میں کراہ رہے تھے، چند سپاہی ایک لاش لئے قلعہ کی شمال طرف جا رہے تھے، لاش سبز ریشمی کپڑے سے ڈھکی تھی، سپاہیوں کے آنسو جاری تھے، وہ شمال کی طرف فصیل سے کچھ ہٹ کر آم کے درختوں کے قریب بیٹھے ہوئے ایک بارعب آدمی کے قریب گئے اور لاش کو اس کے سامنے رکھ دیا، یہ ٹیپو سلطان تھے

یہ وہی ٹیپو سلطان تھے جن کی بہادری کے چرچے انگلستان
کی پارلیمنٹ میں ہوا کرتے تھے، یہ وہی ٹیپو تھے جن کا نام
لے کر فرنگی مائیں اپنے بچوں کو ڈرایا کرتی تھیں، ٹیپو سلطان
فوجوں کے معائنے سے فارغ ہو کر آم کے درختوں کے
سامنے بیٹھ گئے تھے اور وہیں کھانا طلب کیا تھا،
بسم اللہ کہہ کر پہلا لقمہ منہ میں لیا تھا اور دوسرا لیا ہی
چاہتے تھے کہ سامنے سے سپاہی سسکیاں بھرتے لاش
کو لائے اور قریب رکھ دیا

"کس کی لاش ہے" سلطان نے لقمہ ہاتھ ہی میں
رکھتے ہوئے سپاہی سے پوچھا

"وفادار سید غفار کی جس نے حق نمک ادا
کر دیا" گلوگیر آواز میں ایک سپاہی نے جواب دیا۔

سلطان کو جیسے سکتہ ہو گیا، انہوں نے جو لقمہ
اٹھایا تھا ویسے ہی چھوڑ دیا اور دسترخوان سے اٹھ
گئے، غم سے ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ دفعتاً
ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، بالکل سرخ، اتنی سرخ کہ
معلوم ہوتا ہے کہ ان سے گویا چنگاریاں نکل رہی ہیں
اب امنڈتے ہوئے آنسوؤں کا کہیں پتا نہ تھا شاید
وہ جلال کی گرمی سے جذب ہو گئے تھے، چہرہ بھی سرخ
ہو رہا تھا اور سارا بدن جوش سے تھرا رہا تھا

آہ سلطان کو بہت صدمہ ہوا، صبح ہی تو ان
کا ایک بازو حسین علی شہید ہو گئے تھے جن کو دولہا بنے
صرف چوبیس گھنٹے ہوئے تھے، جن کی دولہن سہاگن
بن کر صرف چوبیس گھنٹوں میں بیوہ ہو گئی تھی، اور اب
دوپہر ڈھلی کہ ان کا دوسرا بازو سید غفار بھی
شہید ہو گئے، دونوں بازوؤں کے نقصان نے سلطان
کو تڑپا دیا تھا "تم سمجھتے ہو" سلطان کی آواز گونج اٹھی
سلطان نے ان لوگوں کو مخاطب کیا جو قریب تھے "ہم میں
غدار اور نمک حرام امرا اور وزرا تھے "کہ ہم تمہاری
غداری اور نمک حرامی سے واقف نہیں ہیں! ہمیں سب
معلوم ہے، مگر یاد رکھو" سلطان کی آواز تیز ہو گئی
"تمہیں اس غداری کا نتیجہ بہت جلد معلوم ہو جائے گا
تم ہمیشہ ذلیل ہو گے اور تمہاری آنے والی نسلیں اس
ملک میں محتاج ہو کر چاول کے ایک ایک دانے اور پیاز
کی ایک ایک ڈلی کو ترسیں گی"

سلطان غصے سے بکتے جا رہے تھے پھر ساتھ
ہی مسلح ہو کر طاؤس پر سوار ہوئے اور قہر آلود
نظروں سے غداروں کو دیکھتے ہوئے جنوب مغرب
کی طرف جہاں سید غفار شہید ہو گئے تھے روانہ
ہو گئے

شہید ملت سلطان ٹیپو نے غداروں کو،
جنہوں نے فریب اور سازشوں سے سلطنت خداداد
کی بنیادوں کو ہلا کے رکھ دیا تھا پیش گوئی کی تھی
کہ وہ کبھی سرسبز و شاداب نہ ہوں گے، چنانچہ
میر معین الدین، میر قاسم، میر صادق، میر غلام علی
لنگڑا اور بدرالزماں نائطہ وغیرہ نے کبھی سر نہ اٹھایا
ان میں سے کوئی اسی دن مر گیا، کوئی جذام میں
مبتلا ہو گیا، کوئی لوگوں کے انتقام کا تختۂ مشق
بنا اور کوئی ذلت کی زندگی بسر کرتا رہا، شہید اعظم
کی پیش گوئی کا دوسرا ثبوت آج بھی موجود ہے،
سرنگاپٹم ڈیڑھ سو سال کے بعد بھی ایک معمولی قصبے
سے کچھ نہ بڑھا، وہ اس وقت ایک عظیم الشان

سلطنت کا یہ تقاضا تھا کہ ملک کے غداروں نے حضرت امام عالی مقام حسین علیہ السلام کی شہادت کی یاد تازہ کر دی تھی کہ تا قیامت جلتا رہے، واقعۂ میسور، معرکۂ کربلا کوفیوں ہی کی طرح ملک کے ایمان فروشوں نے اپنی غداری، مکاری اور سازش سے شیر دکن کو شہید کرا دیا حضرت حسین ہی کی طرح مجاہد اعظم ہندوستان شہید ہو گئے حضرت امام حسینؑ کے والد اور والدہ ہی کی طرح سلطان ٹیپو کے والد کا نام حیدر علی اور والدہ کا نام فاطمہ بیگم تھا۔ اور جس طرح امام عالی مقام کی شہادت پر کوفیوں اور یزیدیوں پر قہر خداوندی کا نزول ہوا اسی طرح سلطان المجاہدین کی شہادت پر غداروں پر خدائی قہر نازل ہوا۔

آہ ابھی ابھی سلطان کے جاں نثار اور وفادار مجاہد سید غفار شہید ہو گئے تھے جن کی لاش نے سلطان کے خیالات کی بجلی کو سلگا دیا تھا جس کی وجہ سے سلطان ضمیر فروش غداروں کو بد دعا دیتے ہوئے جنگ کی آگ میں کود پڑے تھے، پھر بہادری کا شاندار مظاہرہ کرتے ہوئے سینے پر پانچ فولادی گولیاں کھائیں اور شہید ہو گئے

سید غفار حارث سلطنت خداداد کا ایک مضبوط ستون تھے، سلطانی فوج کے ایک سپہ دار اور دربار سلطانی میں ذی حیثیت شخصیت کے مالک، شہید اعظم کو ہمیشہ ان پر اعتماد رہا اور وہ دوسروں میں ہمیشہ فخر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے، اکثر معرکوں میں سلطان کے ہمرکاب رہے، جہاں سلطان کا پسینہ بہا وہاں انہوں نے اپنا خون بہایا، شاہ نور کی فتح کا سہرا سید غفار کے سر رہا، سید غفار تندرست و توانا اور بارعب انسان تھے، چہرے پر ہمیشہ ایک قسم کا سکون جو تھا جو جری انسان کی ثابت قدمی اور استقلال کی ترجمانی کرتا ہے۔

غازی ملت حضرت ٹیپو سلطان شہید ایک مانے ہوئے مدبر تھے، تعلیم یافتہ اور دور اندیش، ان کی دور رس نگاہیں پہچانتی تھیں کہ وفادار اور بہادر کون ہیں، ان کو بہادروں کی ضرورت تھی، ان کو اپنے بہادروں سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں، وہ بہادروں کی مدد سے اپنی زندگی کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانا چاہتے تھے

میسور کی تیسری جنگ کے بعد جب دونوں شہزادے جو بطور یرغمال انگریزوں کے حوالے کئے گئے تھے واپس آئے تو سلطان نے اپنی طاقت کی تجدید کے لئے دربار میں اپنے امراء اور وزراء سے اقرار لیا کہ وہ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اور غداری نہ کریں گے، چنانچہ عہد نامہ لکھا گیا، خدا کو حاضر، رسول کو گواہ بنا کر اور قرآن کی قسم کھا کر غداروں نے بھی عہد نامہ لکھا مگر جب ضمیر ہی بک چکا تو انہیں احساس کیسے ہوتا، باوجود قسم کھانے کے انہوں نے اپنا ایمان بیچ ہی دیا، وہ سید غفار کے دشمن بن گئے جن کی وجہ سے انہیں عہد نامہ لکھنا پڑا تھا، سید غفار کو سلطان کی نظر سے گرانے کی انہوں نے سازشیں کیں مگر وہ ہمیشہ ہی ناکام رہے کیونکہ سلطان سید غفار پر بڑا اعتماد کرتے تھے

جب غداروں کی سازش سے ولزلی متحدہ فوجیں لے کر سلطنتِ خداداد کے حدود میں داخل ہوا اور رائے کوٹے پر قابض ہو کر جنرل ہارس کو آگے بڑھایا تو سلطانی جاسوس

نے میر صادق کو جو دیوان تھا خفیہ خبریں پہنچائیں مگر اسے بے پرواہ دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے اور سید غفار کو جنگ کے نئے حالات سے آگاہ کیا، سید غفار نے سلطان کو خبر پہنچائی کہ متحدہ افواج دارالحکومت پر دھنک دینے آ رہی ہیں، سلطان متحیر ہو گئے اور اسی وقت سید غفار کے سامنے میر صادق کو طلب کیا اور معلومات بہم نہ پہنچانے کی وجہ پوچھی، میر صادق نے سلطان کی رحمدلی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بہانے تراشے مگر سلطان نے فوج کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا، میر صادق سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ سید غفار کا کیا ہوا ہے لہٰذا وہ سید غفار کا جانی دشمن بن گیا، اسی انتقامی جذبے کے تحت اس نے ذریاتِ بوجہل کو بلا کر سید غفار کے خلاف بھڑکایا اور وعدہ لیا کہ کسی نہ کسی طریقے سے سید غفار کو راہ سے دور کر دیں

سلطانی فوج پہ یا پٹن پہنچی، سلطان، سید غفار کی سپہ سالاری اور شجاعت سے انگریزوں کو شکست دے کر مشرقی محاذ پر پہنچے مگر غداروں کی کور نمکی کی وجہ سے [illegible] کو سرنگا پٹم آنا پڑا، اس لئے کہ دوسری طرف سے انگریزی افواج سرنگا پٹم کی طرف بڑھ رہی تھیں، سرنگا پٹم پہنچ کر سلطان کو معلوم ہوا کہ میر صادق نے جس کو آپ نے حفاظت کے لئے چھوڑا تھا مدافعت کا کچھ بھی انتظام نہ کیا تھا اور دوسری طرف مشرقی محاذ پر سلطان کی چھوڑی ہوئی فوجیں غداروں کی وجہ سے سرنگا پٹم واپس لوٹ آئیں اور جنرل ہارس دارالخلافہ کے قریب آ پہنچا، دونوں طرف جنگ کے لئے افواج مستعد ہو گئیں

قلعے کی جنوب مغرب طرف سلطانی مورچہ کمزور تھا۔ اس کے علاوہ وہاں فصیل میں ایک شگاف پڑ چکا تھا جس کو عجلت میں بند نہ کیا جا سکا اور شومئی قسمت کہ اس طرف دریائے کاویری کی چوڑائی بھی کم تھی مگر سب سے بڑی بد قسمتی ضمیر فروشوں کی غداری تھی، ننگِ وطن میر صادق نے میر قاسم کے ذریعہ جنرل ہارس کو کہلا بھیجا کہ جنوب مغرب طرف مورچہ کمزور ہے، چنانچہ جنرل ہارس نے دریا پار کر کے فوج کو گنجان باغ میں اتارا اور مورچہ بندی کر دی، اس سے محاصرہ اور تنگ ہو گیا، خبر پہنچنے پر سلطان نے اپنے بہادر سپہ دار سید غفار کو گنجان باغ کے مورچے پر مامور کر دیا جہاں پہلے ہی سے وطن فروش میر معین الدین بھی موجود تھا، اس کی موجودگی بھی سازش کی ایک کڑی تھی

سلطانی سپاہیوں کی بے نظیر شجاعت کے باعث جب محاصرہ طول پکڑا اور انگریزوں کا اصرار بڑھا تو فرزندانِ سید جعفر نے مشورے لینے کے لئے دو انگریز افسروں کو جو لفٹیننٹ ڈن اور لفٹیننٹ لارس تھے رات کے وقت قلعے میں بلا کر پورے قلعے کا معائنہ کروایا، لفٹیننٹ لارس نے بتایا کہ شمال اور جنوب طرف جہاں مورچہ بندی ہو چکی ہے حملہ کامیاب ہو سکتا ہے مگر شرط یہ تھی کہ وہاں سے سلطانی فوج کو ہٹا دیا جائے

یکم مئی کو غدار میر صادق نے ذریاتِ بوجہل کی ایک خفیہ کانفرنس بلائی اور اس بات پر زور دیا کہ شمال اور جنوب مغرب سمتوں سے سلطانی افواج کو کسی نہ کسی طرح ہٹا دیا جائے۔

"یہ بہت مشکل ہے" انگریز نے کہا

"کیوں" میر صادق کے لہجے میں حیرت تھی

"سپاہیوں میں غیر معمولی جوش ہے، وہ کبھی وہاں سے

بیٹھیں گے

"ہوش" میر صادق چیخ اٹھا "یہ بے وقوف کہیں کے مفت میں جانیں دے رہے ہیں مگر" وہ سوچتے ہوئے بولا "حکمت عملی بھی تو کوئی چیز ہے، تنخواہ کے بہانے ان کو وہاں سے ہٹا دیا جا سکتا ہے اور یہاں" وہ کچھ یاد کرتے ہوئے بولا "گنجام باغ کی طرف میر معین الدین ہیں وہ اپنی فوج ہٹا لیں گے، کیوں سید صاحب" اس نے میر معین الدین کی طرف دیکھا "مگر اس شیر کے سامنے میری ایک نہ چلے گی، سید غفار بہت مقبول ہے، مگر ہاں ایک ترکیب ہے" میر معین الدین کچھ سوچتے ہوئے بولا، اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک تھی

"کیا" سب ایک ساتھ بول پڑے

"وہ آج کل دھوپ بہت ہے، کسی طرح میں سید غفار پر سبز چھتری کا سایہ کر دوں گا اور آپ" اس نے میر صادق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "آپ انگریزوں کو کہلا بھیجئے کہ سبز چھتری کے سائے میں جو ہوگا وہ سید غفار ہے، بس معاملہ صاف ہے اور کامیابی بھی" اس نے قہقہہ لگا کر کہا، پھر اس کا قہقہہ درباریوں کے شیطانی قہقہوں میں گم ہو گیا، سب قہقہے لگا رہے تھے، کیونکہ وہ اپنے ضمیر کا گلا دبا دینے میں کامیاب ہو گئے تھے جس سے وہ بیچ نہ سکتے تھے اور یہ ایمان فروشی کر سکتے تھے، غداروں کی نمک حرامی سے مغموم ہو کر سلطان المجاہدین نے موتوں اور خزانہ سمیت چلہ رنگ جانا بہتر سمجھا، صرف سید غفار، شیخ عمرو اور حسین علی خان چند نے سلطان کی تائید کی مگر نمک حراموں نے آپ کو اس سے باز رکھا، سلطان خاموش ہو گئے تھے

تیسری مئی گزر گئی اور چوتھی مئی کی صبح ہندوستان کے لئے بربادیوں کا پیغام لائی۔ انگریزوں نے شمال اور جنوب مغرب سے سخت حملہ کر دیا، شمال میں جہاں شدید لڑائی کا محل تھا حسین علی خان مورچہ سنبھالے ہوئے تھے اور جنوب مغرب کی طرف گنجام باغ کے سامنے کا مورچہ شگاف پڑ چکا تھا سید غفار کی کمان میں تھا، سلطان نے غسل کیا اور صدقہ دیا اور نہ جانے کیسے ان کی زبان سے نکل گیا "خوب کیا کہ آج مجھے شہادت نصیب ہو جائے"

حملہ زور پکڑ چکا تھا، دونوں طرف گولہ باری ہو رہی تھی مگر نقصان سلطانی فوج کا ہو رہا تھا، سپاہی شہید ہو رہے تھے اور فصیل کی دیواریں بمباری کی وجہ کمزور ہوتی جا رہی تھیں، اس لئے کہ انگریزوں کے پاس اصلی اور لوہے کے گولے تھے اور سلطانی سپاہ کے پاس نقلی اور مٹی کے، میر صادق کی سازش کامیاب ہو چکی تھی، سلطان کی لاعلمی میں اس نے بجائے لوہے کے مٹی اور سن کے گولے بنوا کر تقسیم کئے تھے، پھر کیا خاک انگریزی فوج کا نقصان ہوتا؟ سلطان کو جب خبر ہوئی تو سمجھ گئے کہ اپنوں کی غداری سے سلطنت خداداد کا چراغ ٹمٹما رہا ہے اور کوئی دم میں بجھ بھی جائے گا، تھوڑی دیر بعد شمال کی طرف حسین علی خان "نبی نواب" لڑتے ہوئے شہید ہو گئے جس کا سلطان کو بہت ملال ہوا

سورج بیچ سر پر پہنچ چکا تھا، جنوبی مورچہ کمزور دیکھ کر انگریزوں نے گولہ باری میں شدت پیدا کی لگاتار گولہ باری سے فصیل پر سپاہیوں کے قدم اکھڑنے لگے، مگر شیر دل سید غفار نے سپاہیوں کو للکارا "ڈرتے کیوں ہو بہادرو! کیا موت سے ڈرتے ہو"

ایک حقیر چیز ہے" سید غفار کا چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا " تم نے سنا نہیں علامہ ٹیپو کیا کہتے ہوئے کہ گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے کیا تم یہاں سے بھاگ کر گیدڑ کی زندگی گزارنا چاہتے ہو! یاد رکھو اگر تمہارے قدم اکھڑ گئے تو انگریز تمہیں غلام بنا کر رکھیں گے، تمہارے سامنے تمہاری عورتوں کی بے حرمتی کی جائے گی اور تم بے بسی سے دیکھتے رہ جاؤ گے اور پھر تم بھی کتے کی موت مارے جاؤ گے، ہمت سے کام لو مجاہدو، پتھر کی چٹان بن کر دشمن کے سامنے ڈٹ جاؤ، فکر نہ کرو، اگر غازی نہ بن سکے تو شہید بن کر حیات جاودانی حاصل کر سکتے ہو، جیت ہر طرح تمہاری ہے

بجیت تمہاری ہر طرح کہ جیو کہ جان دو
جیو تو غازیوں میں ہو مرو تو تم شہید ہو

بولو تمہیں کونسی زندگی پسند ہے، گیدڑ کی زندگی یا حیات جاوداں؟" شیر کی آخری گرج گونج اٹھی

سپاہیوں کی غیرت نے جوش مارا اور وہ ڈٹ گئے، وہ زخمی ہو کر گر رہے تھے، گر کر شہید ہو رہے تھے مگر کیا مجال جو وہ ایک قدم بھی پیچھے ہٹے ہوں

" سید غفار صاحب اب جنگ کو جاری رکھنا حماقت ہے، ہتھیار ڈال دیں تو ممکن ہے بچ جائیں" غدار میر معین الدین نے سید غفار کے جوش کو بھڑکایا

"یہ تم کہہ رہے ہو میر صاحب؟" سید غفار کے لہجے میں حیرت تھی " مگر یقین رکھو کہ جب تک میرے جسم میں خون کا آخری قطرہ موجود ہے، انگریز یہاں تک نہیں پہنچ سکتے" لہجے میں استقلال تھا

" اوہ دھوپ کتنی تیز ہے، دھوپ سے پناہ تو لو" مکار کی ہمدردی نے کہا

" سپاہی کے لئے دھوپ کوئی چیز نہیں" مجاہد کی سیدھی بات تھی

مگر معین الدین نے اپنے نوکر کو جو سبز چھتری لئے کھڑا تھا اشارہ کیا، اس نے سید غفار پر سایہ کر دیا، مگر سید غفار اس سے بے نیاز ہو کر مصروف پیکار رہے اور میر معین الدین وہاں سے ہٹ گیا

دفعتاً ایک انگریزی توپ کا رخ سبز چھتری کی طرف ہو گیا اور وہ آگ اگلنے لگی، بہت سے گولے سید غفار کے آس پاس پڑنے لگے مگر آفریں ہے کہ مجاہد وہاں سے ذرا نہیں ہلا اور برابر داد شجاعت دیتا رہا، آخر کار ایک گولہ بالکل قریب آکر گرا اور آہنی ٹکڑے سید غفار کے جسم میں پیوست ہو گئے اور وہ نیچے گر گئے، آسمان کی طرف نگاہ تھی اور لب پہ کلمہ، پھر وہ دور بہت دور چلے گئے جہاں حور اور فرشتے ان کے استقبال کے لئے بے چین کھڑے تھے

عمارت سلطنت خداداد کا وہ مضبوط ستون گر گیا جس کے بعد وہ عمارت صرف ملبہ ہو کر رہ گئی، جس شیر کی دھاک سارے زمانے پر بیٹھی ہوئی تھی آج وہ خاموش ہو گیا، جس پر شہید عظیم ہندوستان کو اعتماد تھا آج وہ ان پر نثار ہو گیا، شیر کی ایک دن کی زندگی گزار کر شہید ملت کے قول کو عملاً کر دکھایا، جب تک زندہ رہے غازی بن کر رہے اور مرے تو شہید بن کر حیات جاوداں حاصل کر لی، کیا وہ سید غفار کی یاد کو بھلا سکے گا جنہوں نے استقلال اور ثابت قدمی میں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دی

---

# شیر ہندستاں ٹیپو سلطان

محمود شیرانی

(اقتباس)

عجائبات زمانہ کے اے تماشائی — رہا ہے سیرِ جہاں کا جو تو تمنائی
محیطِ ارض پہ کی تو نے گام فرسائی — قطب سے کی ہے قطب تک کی بادیہ پیمائی
نظر میں ہے ترے خورشید کا طلوع و غروب
زمیں کو دیکھ کے آیا ہے تو شمال و جنوب

دیارِ ہند میں جب سیر کے لئے آنا — تو اپنے پہلو میں تو اک دلِ حزیں لانا
عجائبات میں یاں کے نہ دل کو الجھانا — دکن میں جا کے سرنگا پٹم چلے جانا
کہ جس کی خاک میں سوتا ہے شیرِ ہندستاں
زمانہ بھول گیا ہائے جس کے سب احساں

ادب ہے شرط تجھے اس مقامِ عبرت پر — بہانا اشک تو اس تاجور کی تربت پر
فلک سے لڑنا تو اس نامور کی حسرت پر — ہزار آفریں اس شیر دل کی غیرت پر
کہ جس کے نام سے ڈرتے تھے بچگانِ فرنگ
جھکا ہے سامنے جس کے بہت نشانِ فرنگ

دکھائے اس نے شجاعت کے خوب ہی جوہر — ادھر وہ یکہ و تنہا ادھر تھی ساری ادھم
وہ کیا کرے کہ ہو جس کا آسماں یاور — شکست و فتح تو ہے منحصر مقدر پر
نہ ہارا حوصلہ اس تیغ زن نے خوب کیا
مقابلہ تو مرے پہلوان نے خوب کیا

بہار گائیں گی جب بلبلیں گلستاں میں — خزاں کا دور ہو جب موسمِ زمستاں میں
حریف دو ہوں مقابل جب اک میداں میں — اٹھائیں ساغرِ مے جب کہ بزمِ یاراں میں
جہاں میں رسم ہے جب تک کہ شادی و ماتم
ہمیشہ روئے گا اس کے لئے سرنگا پٹم

# سلطانِ شہیدؒ اور اقبالؒ

نثار احمد
سینئر بی اے
مہاراجا کالج، میسور

علامہ اقبالؒ نے ٹیپو سلطان شہید پر ایک نظم ضرب کلیم میں بھی شامل کی ہے مگر جاوید نامہ میں ان کے کردار پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، شاید کسی شاعر نے اس مجاہد بادشاہ کا حق اس طرح ادا نہیں کیا جس طرح آپ نے کیا ہے، یوں تو کئی شعراء نے سلطانؒ پر خامہ فرسائی کی ہے لیکن وہ مدح و ستائش سے آگے نہیں بڑھتے، ٹیپو سلطان اس مثنوی کا ایک اہم کردار ہیں اور اقبال بڑے موثر انداز میں ان کی ذات حیات اور خدمات کا جائزہ لیتے ہیں، جنت الفردوس میں اقبال سلطان سے مثالی ملاقات کرتے ہیں، پیر رومی پہلے ان کا تعارف یوں کراتے ہیں ؎

آں شہیدانِ محبت را امام
آبروئے ہند و چین و روم و شام

ان کا نام شمس و قمر سے زیادہ روشن ہے اور ان کی خاک قبر مجھ سے اور آپ سے زندہ تر ہے، ان کی موت میں جو زندگی ہے وہ ہماری حیات میں نہیں، آپ نہیں جانتے انھوں نے کس اشتیاق کے ساتھ جان دی ہے، یہ خدا کے سچے عاشق تھے، انھوں نے اس عشق کے راز کو آشکارا کر دیا، خواجۂ بدر و حنین کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ حضرت حسینؓ کے جذبۂ شوق شہادت کے وارث ہیں، فانی دنیا سے تو نکل چکے ہیں مگر دکن میں ان کا شہرہ آج بھی موجود ہے۔

اقبال سلطان سے ملتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں بتایئے، ہندستان کا کیا حال ہے، وہ تو میرا وطن ہے جس کے سوکھے گھاس کی برابری سرسبز و شاداب باغ نہیں کرتے، وہ ہندستان جس کی مسجدوں میں وہ چہل پہل نہیں رہی جس کے آتشکدوں کی آگ ٹھنڈی پڑ چکی ہے، جس کے لئے ہم نے دل کا خون کر دیا، جس کی یاد ہماری جان کے ساتھ لگی ہوئی ہے، اس ملک کی مصیبتوں کا قیاس ہمارے غم سے کیجئے، آہ، وہ ملک وہ معشوق ہے جس نے عاشق کو نہ پہچانا

اقبال جواب دیتے ہیں، اے سلطان! اب ہندستان کے باشندے قانون فرنگ کے منکر ہو چکے ہیں، اب ان پر انگریزوں کا جادو نہیں چلتا، پھر سلطان پوچھتے ہیں، بے شک انسان جو مشت گل سے پیدا ہوا ہے اپنے اندر ایک دل اور اس میں ایک آرزو رکھتا ہے، غلطی کرنا اس کا کام ہے، وہ کبر و غرور بھی کرتا ہے لیکن گناہ کے بغیر نیکی نہیں ہوتی اور انسان خودی سے آگاہ نہیں ہوتا، اور جب تک خودی سے آگاہی نہیں ہوتی کامیابی نہیں ہوتی، آپ نے میرے شہر کی اور میرے ملک کی زیارت کی، میرے

مزار پر بھی گئے، اس مرد کا ئنات کے فن سا بتلیغ تو آپ نے دکن میں کچھ آثار حیات بھی دیکھے! اقبال جواب دیتے ہیں

تخم اشکے ریختم اندر دکن
لالہ ہا روید زخاک آں چمن

اے سلطان، نظام کائنات انسان کی سمجھ سے باہر ہے، آپ مطمئن رہیں، آپ نے تک بھگ ڈیڑھ صدی قبل وطن پر جان قربان کردی تھی، گو اب تک اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، لیکن یہ سمجھئے کہ آپ کی کوشش رائگاں جانے گی۔ میں نے دکن کے باشندوں کو آپ کی انمول خدمات کی یاد دلادی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں سے ایسے مجاہد پیدا ہوں گے جو آپ کے نقش قدم پر چل کر وطن کو غلامی سے نجات دلادیں گے۔ کاویری ندی آج بھی اسی طرح بہہ رہی ہے، لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے اس میں ایک نئی طغیانی دیکھی ہے

سلطان نے یہ سن کر کہا! اے شاعر شیریں بیاں قدرت نے آپ کو دل افروزی عطا کی ہے، آپ کے اشعار میں جو قومی درد بھرا ہوا ہے، وہی مجھے بھی اب تک تڑپا رہا ہے۔ آپ ایسے مردان راز کی محنت سے قوم میں پھر بیداری پیدا ہو سکتی ہے، آپ کی نوا سے سینوں میں نیا سوز پیدا ہو جاتا ہے، میں دربار الٰہی میں حاضر ہوا تھا تو بے خودی کے عالم میں آپ کے اشعار زبان سے نکل گئے، ارشاد ہوا یہ کس کا کلام ہے! اس میں تو زندگی کا ہنگامہ موجود ہے! آپ ہندوستان لوٹیں تو دریائے کاویری کو میرا پیغام پہنچا دیں، کہ اے دریائے کاویری جو مجھے جیحون اور فرات سے زیادہ عزیز ہے، جس کا پانی دکن کے لئے آب حیات ہے، افسوس ہے اس شہر پر جو تیرے آغوش میں تھا، جس میں تو نے زندگی پیدا کر رکھی تھی، تو پرانا ہو چکا مگر تیرے شباب کا وہی عالم ہے، تیرے پانی اور رنگ کا وہی حال ہے، تیرے ایک ایک قطرے نے وہی کام کیا، جانتا ہے کہ یہ کس کا پیغام ہے؟ یہ اس شخص کا پیغام ہے جس کی سطوت کا تو طواف کرتا تھا جس کی دولت کا تو آئینہ دار تھا، جس کی تدبیر سے صحرا بہشت بن گیا، جس نے اپنے خون سے اپنا نقش تیار کیا، وہ شخص جس کی خاک سینکڑوں آرزوؤں کا مرجع ہے اور جس کے خون نے تیری موجوں میں اضطراب پیدا کیا ہے

آں کہ گفتارش ہمہ کردار بود
مشرق اندر خواب او بیدار بود

وہ جس کی گفتار اس کا کردار تھی، اور جو مشرق کی بیداری کا خواب دیکھتا تھا، یہ اس کا پیغام ہے

اے دریائے کاویری سن! میں اور تو دونوں دریائے حیات کی موجیں ہیں، دیکھ یہ کائنات ہر لمحہ دگرگوں ہو جاتی ہے، ہر گھڑی اس میں انقلاب آتے ہیں، اسی کا نام زندگی ہے، ہر وجود کی بنا فنا پر قائم ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہے راہ فنا پر گامزن ہے، ہر چیز کی نمود چند روزہ ہے

از غم و خاشاک تعمیر وجود
غیر حسرت چیست پاداش نمود

"جب حقیقت حیات چند روزہ معلوم ہو گئی تو چاہئے کہ انسان یا تو دنیا میں آئے ہی نہیں یا آئے تو شعلہ

کی طرح آوارہ نہ رہ جائے بلکہ کسی خرمن کی راہ لے اور اسے جلا دے، یعنی کسی مقصد کے لئے جئے، سورج کی طرح اس میں تب و تاب ہو تو سپہر جواں مرد کا پر مقام کرے، کوہ و صحرا اور گلشن و گلستاں میں گرمی پیدا کرے، اگر ہمت ہو تو دنیا میں شاہین بن کر جئے اور شاہین بن کر مرے، میں نے خدا سے طول حیات کی اسی لئے تمنا نہیں کی کیوں کہ حیات جاودانی عرض حیات ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، زندگی دولت و حشمت اور تیغ و تفنگ سے نہیں بلکہ تسلیم و رضا سے محکم اور مضبوط ہوتی ہے، موت کیا ہے فقط ایک نیرنگ، ایک طلسم، بندۂ حق شیر ہوتا ہے جس کے سامنے موت بس ایک آہو کے سوا کچھ نہیں، موت اس کے سینکڑوں مقامات میں سے ایک مقام ہے، بندۂ غلام ہر لمحہ موت کے خوف سے مرتا رہتا ہے، موت کے خوف سے اسے جینا حرام ہو جاتا ہے لیکن بندۂ آزاد کی شان ہی اور ہوتی ہے، موت اس کے حق میں ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتی ہے، وہ خود اندیش ہوتا ہے مرگ اندیش نہیں، یہ مومن ہے وہ منافق ہے، منافق کی موت میں اور جانوروں کی موت میں کوئی فرق نہیں

مردِ مومن خدا سے وہ موت مانگتا ہے جو اسے اس خاکی عالم سے رہا کر دیتی ہے، وہ موت جو راہِ شوق کا منتہا ہوتی ہے اور عشق کے میدانِ جنگ میں عاشق کا آخری نعرۂ تکبیر ہوتی ہے۔ ع

آخریں تکبیر در جنگاہِ شوق

اگرچہ ہر قسم کی موت شیریں ہوتی ہے مگر حضرت حسینؓ کی موت ایک اور ہی چیز ہوتی ہے، شاہانِ جہاں کی جنگ قتل و غارت کے سلسلے میں واقع ہوتی ہے مگر مومن کی جنگ سنتِ پیغمبری ہوتی ہے یعنی حق کی ترقی اور باطل کے زوال کے لئے، مومن کی جنگ کوچۂ محبوب کی طرف ہجرت ہوتی ہے وہ گویا دنیا کو ترک کر کے کوئے دوست کی طرف جانے کے لئے جنگ کرتا ہے، وہ پیغمبر آخریؐ جس نے دنیا کی قوموں کو عشقِ الٰہی کی تعلیم دی اس نے بتلایا کہ اسلام کی رہبانیت جہاد ہے، لیکن اس نکتہ کو شہید کے سوا کوئی اور کیا جانے جس نے اپنے خون کی قیمت دیکر اسے جانا اور سمجھا ہے۔

# سرنگاپٹم

ظفر علی خاں

(اقتباس)

اے سرنگاپٹم! اے گنج شہیدانِ کرام
آخری وقت میں اسلام کی غیرت کی نمود

تیری آنکھوں نے اپنوں کا عروج اور زوال
تو نے دیکھا ہے پرایوں کا ہبوط اور صعود

شام میں لا نہ سکی تھی جسے خاکِ دمشق
تیرے ذروں نے بچھا دی وہ حجازی بارود

کشورِ ہند کا رنگ اور ہی ہوتا کچھ آج
مکر کا دام بچھاتا نہ اگر چرخِ کبود

سو رہا ہے ترے پہلو میں وہ ٹیپو سا شیر
مایۂ نازِ شہامت کے لیے جس کا وجود

ذاتِ بانیِ اسلام تھی اس کی صولت
اس کی دولت کے دعاگوؤں میں شامل تھے ہنود

کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے
اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود

اس کے اٹھتے ہی مسلمانوں کا گھر بیٹھ گیا
تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود

آخری قول یہ اس کا نہیں بھولے گا
جس سے قائم ہوئیں آئینِ محبت کی حدود

شیر اچھا ہے جسے مہلتِ یک روزہ ملی
یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود

دلِ حسرت زدہ میرا بھی گیا ساتھ جب آج
اس کے مرقد پہ گئے یاس و تمنا کے وفود

پھر گئی آنکھ میں فردوسِ بریں کی تصویر
ظلِ ممدود میں جلوہ سدرِ مخضود

اس کی دہلیز سے لپٹی ہوئی تھی رحمتِ حق
چومتے تھے جسے جھک جھک کے ملائک کے جنود

آئی گنبد سے ندا للہ کہ تری پیشانی
رات دن درگہِ دادار پہ ہے وقفِ سجود

برسرِ تربتِ من چوں گزری ہمت خواہ
کہ زیارت گہِ رندانِ جہاں خواہد بود

میں نے کی عرض کہ اے فطرتِ آزاد کی روح
توڑ دی جس نے سکھائی ہیں غلامی کی قیود

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

# ہندوؤں سے سلوک

آر، عبدالسلام
جونیئر بی ٹی
مہاراجاز کالج میسور

اس آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش میں آج تک کسی کو کامیابی نہیں ہوئی کہ تاریخ اسلام تعصب اور مذہبی عداوت سے خالی اور رواداری اور دینی آزادی سے مملو ہے، پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عیسائی مہمانوں کو آدھی مسجد دے دی، عمر فاروق علیہ السلام نے عیسائی بے گناہوں کو انعام واکرام سے سرفراز کیا اور مسلم مجرموں کو سزا دی، محمد بن قاسم نے رواداری کا ایسا ثبوت دیا کہ سندھ کے ہندو ان کی واپسی کے بعد ان کا بت بنا کر پوجنے لگے، محمود غزنوی کا پرایویٹ سکرٹری تلک سین ایک ہندو تھا وہ غزنی کے دربار میں رہتا تھا، غزنی کی فوج میں ہندو دستے بھی تھے، غزنی میں ان کے مندر بھی تھے، محمود نے سومنات کو ہندو مت کی عداوت یا زبردستی اسلام پھیلانے کے لئے توڑا تو اس کی نظر راہ کے دوسرے مندروں اور خود غزنی کے مندروں پر کیوں نہ پڑی بہت بڑی تہمت ہے جو غیر مسلم مورخ مسلم بادشاہوں پر لگاتے ہیں کہ انہوں نے غیر مسلموں سے برا سلوک کیا، ان کے معابد مسمار کئے اور ان کو زبردستی مسلمان بنایا اور اس کے ثبوت میں وہ چند مثالیں مبالغہ آمیزی کے ساتھ پیش کرتے ہیں، ان معترضوں کو تعصب کی عینک نکال کر دیکھنا چاہیئے کہ ان محدود سے چند مثالوں کا سبب تعصب، عداوت اور تنگ نظری کا شائبہ تک نہیں، یہ قومی سیاسی حالات اور واقعات کا نتیجہ تھے، علاوہ ازیں ان کو دوسرے ادیان کے پیرووں کی تاریخ پر بھی نظر رکھنی چاہیئے، تقابلی مطالعہ سے واضح ہو جائے گا کہ مسلمانوں کی رواداری کی بو باس تک کہیں اور نہیں

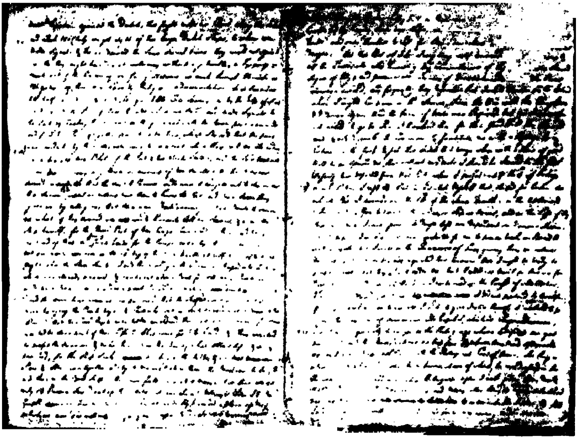
تاریخ ہند ہی میں نہیں بلکہ تاریخ عالم میں بھی حیدر علی خانؒ اور ٹیپو سلطان شہیدؒ کی رواداری اور وسیع النظری کی مثالیں بہت کم ملیں گی، ان دو بہادر مجاہد بادشاہوں نے باوجود قدرت و اختیار کے کبھی ہندوؤں اور عیسائیوں سے دینی اختلاف کی بنا پر ذرا بھر دشمنی یا بدسلوکی نہیں کی، بلکہ ان کی دل جوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا خاص کر ہندوؤں سے تو انہوں نے ایسا اچھا برتاؤ کیا کہ آج بھی اس علاقہ کے ہندو باشندے بڑی عزت کے ساتھ ان کا نام لیتے ہیں، ان کی مدح و ثنا میں شعر کہتے ہیں اور سرنگا پٹم میں ان کے عرس میں برابر شریک ہوتے ہیں، ان بادشاہوں نے ہندوؤں کے دھرم میں کوئی مداخلت نہیں کی، انہیں اپنے اصول کی پابندی کی پوری پوری آزادی دے رکھی، ان کے حقوق برابر پورے کئے، ان کے مندروں کی حفاظت کی، ان کے لئے نئے مندر بنوائے، ان کے مندروں کے اخراجات کے لئے مالی امداد اور جاگیریں دیں، ان کی

ان مندروں سے ملتا ہے جو آج بھی سلطانی جامع مسجد
اور سلطانی محل کے سامنے کھڑے ہیں، ان جاگیروں سے
ملتا ہے جن سے اس علاقے کے مختلف اور متعدد
مندر برابر فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور ان نقاروں
جواہرات اور سونے روپے کے برتنوں سے ملتا ہے جو
آج بھی پوجا کے استعمال میں آتے ہیں، انہوں نے کبھی
کسی بات میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں
کیا، خود ہندو رعایا ان کی وفادار تھی، اس پر اپنی
جان تک قربان کر دینے کو تیار رہتی، شاہی محل میں
چند اہم سرداروں اور افسروں کی بیوہ بیویاں
اور یتیم لڑکیاں رہتی تھیں، جن کی کفالت ان بادشاہوں
نے سرداروں کی وفات کے وقت اپنے ذمے لے لی تھی
ہاں البتہ میسور کا قدیم راج گھرانا اور اس کے چند طرفدار
ہندو برہمن جن کو مسلمانوں کی حکومت ایک آنکھ نہ بھاتی
تھی اپنے مقاصد کی سربراہی کے لئے فرقہ وارانہ منافرت
پھیلا رہے تھے، اس تحریک میں شری رنگا پٹنہ سوامی
مندر کے پجاری بھی شریک تھے جن کے تعصب اور
تنگ نظری کے تعارف کی ضرورت نہیں

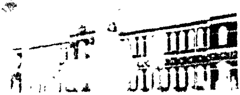
حیدر علی خانؒ کی بہادری اور جاں نثاری کے
صلے میں راجہ نے آپ کو سپہ سالار مامور کیا تو رانیاں
اور وزیر اعظم کھنڈے راؤ نے راجا کو آپ کے خلاف
حسد کے مارے خوب اکسایا کہ یہ شخص طاقت پکڑتا جائے گا
تو ایک نہ ایک دن تخت پر قابض ہو جائے گا، اس لئے
اس کا صفایا ہی کر دیا جائے، اس سلسلے میں پونا کے
مرہٹوں سے بھی امداد طلب کی گئی، وہاں سے فوج آ گئی تو
ملنے کے وقت آپ کی اقامت گاہ پر پہرہ ڈال دیا گیا اور
محاصرہ کر لیا گیا، اس وقت آپ قرآن مجید کی تلاوت
کر رہے تھے، کسی کو کانوں کان خبر نہیں تھی کہ یہ کیا
ہو رہا ہے، اس وقت شری رنگا پٹنہ مندر کے آنجہانی
پجاری کی کمسن بچی نے آپ کو خفیہ طور پر اطلاع دے
دی اور آپ جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے، اگر
ایک ہندو لڑکی نے یہ احسان نہ کیا ہوتا تو شاید سلطنت
خداداد کا نام تک تاریخ میں نہ آتا، آخر میں اس برہمن
بچی کی حق شناسی پر یہ لڑکی عزت و احترام کے ساتھ
حرم میں رہی، مگر متعصب برہمنوں نے شرارت
شروع کی تو آخرکار سلطانِ شہیدؒ کے زمانے میں اسے
پھر مندر میں بھیج دیا گیا

دونوں بادشاہوں کے عہد میں ہندو بڑے بڑے
عہدوں اور مرتبوں پر فائز اور مامور رہے، وزیر رہے
امیر رہے، افسر رہے، حاکم رہے سپاہی رہے نوکر
رہے، غرض ہر قسم کی ملازمت بلاتفریق مذہب و ملت
ان کو ملتی رہی

ان دونوں مجاہدوں نے ریاست کے مندروں
پر جو مہربانیاں کیں ان کی مثال کہیں نہیں ملتی،
شاید خود ہندو بادشاہوں نے یہ سلوک نہ کیا ہو،
اس کا تفصیلی بیان حکومت میسور کے محکمۂ آثار قدیمہ کی
سالانہ رپورٹوں میں موجود ہے، حیدر علی خانؒ نے تمام
قدیم مندروں کی جاگیریں بحال رکھیں اور ان میں اپنی
طرف سے کافی اضافہ کیا، مختلف مندروں کو پوجا کے
برتن وغیرہ دئے، شری رنگا پٹنہ کا مندر جس کے نام
سے شری رنگا پٹنہ موسوم ہے، آپ ہی کا تعمیر کردہ
ہے، آپ کے عہد میں پرانا مندر جل کر خاک ہو گیا تو آپ نے



Specimen writing of a Portugese visitor to Hyder Ali Khan's Court



**Maharaja's College, Mysore**



*Sitting—From Left to Right.*—[illegible] (Assistant Editor) Mir Mahmood [illegible] M.A. [illegible] (President) Dr. Khizar Ali Khan, M.A. Ph.D. [illegible] M.A. Ph.D. (Chairman of the World University Service) [illegible] Hasan M.A. (Treasurer), Abdul Ghafoor Shakeel M.A. LL.B. [illegible] Azra Bano.

*Standing—From Left to Right.*—Abdul Mateen (Representative) Agha Mirza M. [illegible] [illegible] Sajid Md. Basit. Fasa Ahmad. H. Md. Ilyas. Md. Khan. Nisar Ahmed. [illegible] Md. Khaleel Ahmed. Nasir Md. Md. Yakub, Syed Md. Abbas. Mirza Ishrath Ali. Ismail Shareef. T. [illegible] Ahmed. Shaikh [illegible] Ali. Abdul Wajid, Iqbal Ahmed Khan. Wasar Ahmed. G. Md. Ghouse Baig. Md. Yousuf. Abdul Wajid Khan. Mukhtar Ahmed, K. Firoz Ahmed. Riaz Tasseen. Syed Hafiz.

اسے دوبارہ تعمیر کرا دیا، بیدر میں جو مشہور مندر ہے اس کا احیاء اور گنبد آپ ہی کا بنایا ہوا ہے، آپ نے شرنگری کے گرو جی کے نام جو دو خط لکھے تھے انکا بھی مضمون ہیں اور ان کا ترجمہ آثار قدیمہ کی رپورٹ میں شائع ہو چکا ہے، ان میں آپ نے گرو جی سے بڑے احترام سے خطاب کیا ہے۔ ایک خط میں لکھا ہے کہ گرو جی کے سفر پونا کے لئے دس ہزار روپے، دو خلعتیں، ایک جوڑی شالیں، علم کے لئے پانچ ریشمی تھان، ہاتھی، پالکی، گھوڑے، اونٹ اور دیوتا کے لئے زریں کپڑے ارسال خدمت ہیں۔ ایک اور حکم نامے میں اپنے حاکموں کو حکم دیا ہے کہ شرنگری مٹ کی جاگیروں میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہونے دی جائے،

ٹیپو سلطان شہید رواداری اور بے تعصبی میں اپنے والد کے برابر قدم بقدم چلتے رہے، پورنیا ایک ہندو آپ کا وزیر مال تھا، شرنگری کے مندر میں آپ کے تیس خط محفوظ ہیں جو آپ نے وہاں کے گرو جی کے نام بھیجے تھے، دوسرے خطوط میں سلطان پہلے اپنا اسم گرامی لکھتے تھے مگر ان میں پہلے گرو جی کا نام لکھا ہے، میسور کی تیسری جنگ میں مرہٹوں نے اس مندر پر حملہ کر دیا، اسے لوٹ کر تباہ کر دیا، برہمنوں کو زخمی اور قتل کر دیا اور گرو جی کو فرار ہونا پڑا۔ مندر میں جو کچھ تھا مرہٹوں نے لے لیا اور دیوی کا بت بھی باہر پھینک گئے، گرو جی نے بڑے افسوس کے ساتھ سلطان کو اس کی اطلاع دی اور بتایا کہ مندر کا سا نقصان ہو گیا تو آپ نے فوراً تسلی آمیز جواب دیا اور احکام صادر کئے کہ مندر کے لئے گرو جی کو

ہر قسم کی امداد دی جائے اور دیوی کا بت پھر نصب کرا دیا جائے، سلطان نے نقد روپیہ اور اشرفیاں بھی بھیجیں اور اس سلسلے میں جو اخراجات ہوئے ان کو بخوشی برداشت کر لیا، چنانچہ ہزاروں برہمنوں کو کھانا کھلا کر دیوی کا بت پھر نصب کیا گیا اور مندر کی مرمت ہو گئی، رواداری کی اس سے بہتر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ خود ہندوؤں نے ایک مقدس مندر کو لوٹا تو اس مسلمان بادشاہ نے نقصان کی تلافی کر دی

اس کے بعد اس مندر کے بت، برہمنوں اور گرو جی کے لئے سلطان ہمیشہ تحفے اور انعامات بھیجتے رہے، تہواروں میں پوجا پاٹ پر جو خرچ آتا وہ اپنی طرف سے برابر ادا کرتے رہے، گرو جی سمندری غسل کے لئے گئے تو ہر قسم کے انتظامات کرائے، بت کے لئے زریں کپڑے بھیجے، وہ لوٹے گئے مال کی بازیابی کے لئے پونا گئے تو سامان و آسائش سفر کا اہتمام کیا" پھر ایک بار بڑی عزت اور احترام سے کہا کہ "آپ پایہ تخت میں تشریف لا کر درشن دیں" کہا جاتا ہے کہ پونا میں مرہٹوں نے آپ کا مال واپس نہیں دیا اور آپ ناکام لوٹے

یہی نہیں ریاست بھر میں جتنے مندر تھے ان سب کو آپ نے جاگیروں اور انعامات و اکرامات سے مالا مال کر دیا، آثار قدیمہ کی رپورٹوں میں تفصیل سے لکھا ہے کہ میل کوٹے کے مشہور مندر میں بعض زیورات اور برتن سونے اور چاندی کے موجود ہیں جن پر لکھا ہوا ہے کہ سلطان نے تحفتہً دئے ہیں اور بعض

مندروں میں ایسے ظروف اور زیورات موجود ہیں ، سلطنت خداداد میں ایک مقام گرد ایور تھا جو اس وقت کیرالا صوبہ میں شامل ہے ، یہاں کا مندر ہندو دھرم کا مشہور مرکز تھا ، سلطان نے اس مقام پر حملہ کیا تو اس مندر کے پجاری بہت گھبرائے اور دیوتا کی قیمتی مورت کو ایک دور دراز مقام کے [illegible] میں بھیج دیا مقام فتح ہو گیا تو فوج کے بعض سپاہیوں نے جوش انتقام میں اس مندر کو آگ لگادی ، افسروں کو خبر ہوئی تو فوراً آگ بجھادی اور دو چار سپاہیوں کو اس ظلم کی شکایت کرنے کے لئے سلطان کے پاس بھیجا ، سلطان اس وقت اس مقام سے کچھ دور پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے ، یہ خبر سنتے ہی راتوں رات سفر کر کے وہاں پہنچے ، شریر سپاہیوں کو سخت سے سخت سزا دی گئی کو درست کرایا ، حکم دیا کہ مورتی کو فوراً یہاں لاکر اس کے اصل مقام پر نصب کر دیا جائے اور یہ فرمان صادر کیا کہ اس شہر سے جو کچھ آمدنی ہوتی ہو اسے سرکاری خزانے میں داخل کرنے کے بدلے اس مندر کے لئے دے دیا جائے ، یہ حکایت مہاتما گاندھی کے اخبار ینگ انڈیا میں شائع ہوئی تھی اور سلطان کے بارے میں اس میں لکھا تھا کہ

"یہ بادشاہ جس قدر بہادر تھا اسی قدر خداترس اور بے تعصب تھا ، اس کی نگاہیں ہندو اور مسلمانوں دونوں پر برابر تھیں ، کسی مذہب سے وہ تعرض نہ کرتا تھا "

مہاتما گاندھی کے اس اعتراف سے بڑھ کر اور کیا تعریف ہو سکتی ہے ، انگریزوں سے بے شک سلطان کو عداوت ہی تھی ، لیکن یہ عداوت مذہب کی بنا پر نہیں تھی بلکہ انگریزوں کی اس ملک میں بے جا مداخلت اور ظلم و شرارت کی وجہ سے تھی پھر بھی انہوں نے مجبوراً انگریزوں سے برا سلوک نہیں کیا ، فرانسیسی بھی تو عیسائی ہی تھے ، ان سے آپ کی دوستی تھی اور ان کا ایک فوجی دستہ پایہ تخت ہی رہتا تھا ، انہوں نے اپنا ایک گرجا بھی بنالیا تھا ، کورگ اور مالابار میں عیسائی پادریوں کی کوششوں سے ہندو عیسائی ہونے لگے تو آپ نے انہیں منع کر دیا کہ اپنا آبائی مذہب ترک نہ کریں اگر مذہب بدلنا ہی ہو تو اپنے بادشاہ کا مذہب اختیار کر لیں ، صاف ظاہر ہے کہ یہ اہتمام آپ نے انگریزوں اور پرتگالیوں کا زور توڑنے کو کیا تھا جو مذہب کے ذریعہ سیاسی اقتدار حاصل کر رہے تھے

ریاست بھر کے مندروں کو سلطان اور ان کے والد نے جو انعامات دیے ہیں ان کی تفصیل بہت ضخیم ہوگی اور تحقیق سے مرتب ہو سکے گی ، غیر مسلموں میں سلطان کے عام قبول کا اس امر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سلطان کی لاش کے اطراف جو خواتین کی لاشیں ملیں ان میں ایک برہمن لڑکی کی لاش بھی تھی اور سلطان کا جنازہ راہ سے گزر رہا تھا تو ہندو عورتیں بھی سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں سروں پر مٹی ڈال ڈال کر ماتم کر رہی تھیں ، "زوالم اور جوش عقیدت سے جنازے کے آگے جا کر لیٹ جاتی تھیں" یہ حال میڈوز ٹیلر نے اپنی کتاب "ٹیپو سلطان" میں لکھا ہے

(بقیہ بقیات میں دیکھئے)

# سلطانِ شہید

روشؔ صدیقی

(اقتباس)

اے شجاعِ ازل اے ہند کے فرزندِ جلیل
زندگی خود ہے ترے ذوقِ شہادت کی قتیل
نامرادی تری آئینِ وفا کی تکمیل
رزم آرا علمِ جیشِ صداقت تجھ سے      زندہ ہے آج بھی مشرق کی شجاعت تجھ سے

تو ہے وہ بحر جو شرمندۂ ساحل نہ ہوا
وہ مجاہد ہے جو آسودۂ منزل نہ ہوا
مصلحت سے کبھی مانوس ترا دل نہ ہوا
عشق سے مرگ کے شعلوں کو بجھایا تو نے      جاوداں ہستیٔ فانی کو بنایا تو نے

ہند کو محرمِ اسرارِ وفا تو نے کیا
حقِ وفاداریٔ مشرق کا ادا تو نے کیا
پرچم افشاں علمِ دینِ خدا تو نے کیا
حلقۂ جادوئے افرنگ کو توڑا تو نے      ہند میں پنجۂ شیطاں کو مروڑا تو نے

ہند میں آج جو یہ جلوۂ بیداری ہے
سطوتِ غیر جو مجبورِ نگوں ساری ہے
یہ ترے شعلۂ ایثار کی گلکاری ہے
سرِ تکمیل ترا جذب تمام آپہنچا      صبحِ آزادیٔ مشرق کا پیام آپہنچا

# زبان وادب

صالح محمد سیٹھ
دوم آنرز، اردو
مہاراجا کالج، میسور

"تاریخوں سے یہی پتا چلتا ہے کہ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی مادری زبان فارسی تھی، لیکن تحقیق اور درایت سے کام لیا جائے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ اردو اور فارسی دونوں ان کی مادری زبانیں تھیں، یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ آج سے چار سو سال قبل شمالی ہند کے مسلمانوں میں اردو کا رواج عام ہو چکا تھا اور دکن میں تو آج سے پانچ سو سال قبل ہی مسلمانوں کی گھریلو زبان بن چکی تھی، شمال میں غدر یا پہلی جنگ آزادی تک ادبی اور سرکاری زبان فارسی رہی مگر جنوب میں اس سے دو صدی پہلے ہی اردو نے فارسی کی جگہ لے لی

حیدر علی خان کے آباؤ اجداد عرب سے بغداد اور ایران ہوتے ہوئے پنجاب آئے۔ ان کے جد امجد وہاں سے دہلی ہوتے ہوئے گلبرگہ آئے اور وہیں اقامت پذیر ہو گئے، یہاں آپ نے اپنے بیٹے کا نکاح اردو کے پہلے مصنف حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی درگاہ کے متولی کی بیٹی سے کیا، یہ آپ کے دادا تھے، گلبرگہ سے یہ خاندان بیجاپور آیا، وہاں سے یہ لوگ کولار میں آکر مقیم ہو گئے، یہاں سے تلاش معاش میں سرا پہنچے، یہاں کی ملازمت کے زمانے میں بودی کوٹا نامی مقام پر جو ضلع کولار ریاست میسور میں واقع ہے حیدر علی خاں پیدا ہوئے، آپ کی والدہ سرا کے زمیندار میر اکبر علی کی بیٹی تھیں، بہرطور آپ کا گھرانا دکنی بن چکا تھا اور دکن میں فارسی کے ساتھ بلکہ اس سے زیادہ اردو کا استعمال بول چال اور گفتگو کے لئے ہوتا تھا، ان قرائن سے ثبوت ملتا ہے کہ ان بادشاہوں کی مادری زبان یا گھریلو زبان فقط فارسی نہیں بلکہ اردو بھی تھی، اسی طرح ٹیپو سلطان کی والدہ ماجدہ کو بھی دکنی ہی قرار دینا چاہیئے، ان کا خاندان بھی نہ براہ راست ایران سے سرنگاپٹم آیا تھا نہ شمالی ہند سے

حیدر علی خان تعلیم یافتہ آدمی نہیں تھے، قرآن مجید کی تلاوت ضرور کر سکتے تھے، دستخط کے بدلے "ح" کا نشان بنا دیتے تھے، اکثر کہا کرتے تھے کہ لوگ مجھے امی کہتے ہیں، کوئی پروا نہیں، میرے پیغمبر بھی امی تھے، لیکن اردو فارسی، کنڑی، تامل، تلگو، مرہٹی اور کچھ کچھ فرانسیسی بھی بول لیتے تھے، فارسی اور دوسری زبانوں میں احکام اور خطوط لکھا دیتے اور پڑھوا کر سن اور سمجھ لیتے تھے، لیکن ٹیپو سلطان نے باقاعدہ عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی تھی، آپ مختلف علوم و فنون سے کما حقہ واقف تھے، فارسی اور اردو خوب لکھ لیتے تھے، چنانچہ آپ کی اکثر تحریریں فارسی میں ہیں اور بعض اردو میں، آپ اچھی خاصی قابلیت کے مالک تھے، مورخین آپ کو بڑا منشی اور ادیب قرار دیتے تھے، اگر آپ کا زمانہ میسر ہوتا تو علم و ادب کی آپ کے ہاتھوں کافی خدمت و ترقی ہوتی پھر بھی آپ نے جو تحریری کارنامے چھوڑے ہیں وہ

آپ کی علمی صلاحیتوں کا ثبوت دینے کے لئے کافی ہیں، کرک پیٹرک نے، جس نے آپ کے کچھ خطوط کا ترجمہ انگریزی میں شائع کیا ہے، تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کی تحریر امیروں کی تحریر سے ممتاز تھی، بہت مختصر، پر معنی اور حکیمانہ ہوتی تھی، ایک اور نقاد نے لکھا ہے کہ آپ بڑی آسانی سے نظم و نثر لکھ لیتے تھے، آپ نظم بھی کہتے تھے، فتح المجاہدین کے اکثر فارسی اور اردو ابیات آپ کے تصنیف کردہ ہیں اور موید المجاہدین نامی جو منظوم مجموعہ کی کتاب ہے اس میں آپ کا بہت حصہ ہے

ٹیپو سلطانؒ اور حیدر علی خانؒ دونوں نے مسجدوں میں مدرسے اور مندروں میں پاٹ شالے جاری کر رکھے تھے جہاں عربی فارسی اور دینیات اور سنسکرت اور دھرم شاستروں کی تعلیم دی جاتی تھی، ٹیپو سلطانؒ نے سرنگاپٹم میں جمیع الامور نامی عربی فارسی اور دینیات کا ایک بڑا مدرسہ جاری کیا جسے اس زمانے کے لحاظ سے یونیورسٹی کہنا بے جا نہ ہوگا، آپ کی نگرانی میں متعدد اور مختلف علوم و فنون پر کئی کتابیں فارسی اور اردو دونوں میں لکھی گئیں، سلطنت بھر میں شروع سے تعلیم و تعلم اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ ایک اچھے پیمانے پر جاری رہا، مسلمانوں نے اردو اور فارسی میں اور ہندوؤں نے کنڑی میں شعر و شاعری کی کئی کتابیں لکھیں، دربار میں علم و فن کی بڑی قدر افزائی ہوتی تھی، سلطان علماء فضلاء اور صوفیہ کے مربی اور بڑے محسن تھے، آپ کا کتب خانہ سینکڑوں اچھی اور مفید کتابوں پر مشتمل تھا جو مالِ غنیمت میں انگریزوں کے ہاتھ لگ گیا اور انہوں نے انگلستان پہنچا دیا، البتہ اس کی فہرستیں سی فہرستیں دیکھنے میں آتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ آپ اکثر فارسی میں گفتگو کرتے تھے، مگر عربی بھی جانتے تھے اور اردو اور کنڑی میں کافی مہارت اور مشق تھی، قرائن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حیدر علی خانؒ اور ٹیپو سلطانؒ گھر اور دربار میں فارسی کے دوش بدوش اردو بھی بولتے تھے اور سرکاری معاملات میں کنڑی سے بھی کام لیتے تھے

سلطنت خداداد کی دفتری زبانیں فارسی اور کنڑی دونوں تھیں، دفاتر دونوں زبانوں میں لکھے جاتے تھے، مراسلے عموماً فارسی اور کنڑی میں لکھے جاتے تھے اور بعض اوقات اردو میں بھی، مگر دفتر اور آمد حسابات فارسی میں رکھے جاتے تھے، نواب صاحب اور سلطان شہید کو زبان کے تعین اور تفکر کی طرف توجہ کرنے کی مہلت ہی کہاں ملی، یقین ہے کہ وہ کنڑی اور اردو ہی کو سرکاری اور قومی زبانوں کا درجہ دیتے

شاید اردو اور فارسی بولنے والے مسلمانوں کی آمد اور سکونت میسور میں ملک کافور کے حملے ہی شروع ہو گئی تھی، ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ملک کافور نے میسور پر حملہ کیا تو یہاں کے راجا کے پاس بیس ہزار مسلمان قیدی اور غلام تھے، ان میں عربی بولنے والے مسلمان بھی ہوں گے جو مغربی ساحل سے جنگی قیدی بنا کر لائے گئے ہوں گے مگر وہ شمالی ہند سے مسلمان تجارت کے لئے بھی آتے جاتے تھے مگر مسلمانوں کی دائمی سکونت کا یقینی علم ہمیں ۱۵۶۵ء ہی سے ہو سکتا ہے، جب تالی کوٹہ کی جنگ نے سلطنت وجے نگر کا خاتمہ کر دیا، مسلم خاندان شمالی ہند اور بیجاپور سے میسور کے علاقے میں آکر آباد ہونے لگے اور یہاں اردو اور فارسی کا مستقل قیام ہو گیا، یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے

کہ اس علاقے میں سب سے پہلے مسلمان صوفیائے کرام وارد ہوئے جن کا مقصد تبلیغ تھا۔ ان کے ساتھ تجارت پیشہ مسلمانوں کے قافلے بھی تھے، بنگلور میں حضرت توکل مستان اور ریاست کے مختلف مقامات پر جو مزارات بزرگوں کے ہیں وہ اس حقیقت کی گواہی دے رہے ہیں

سلطنت خداداد کی عام زبانیں اردو اور کنڑی تھیں، اردو مسلمانوں کی عام زبان تھی، ان کی علمی اور ادبی زبان فارسی تھی اور ہندوؤں کی عام زبان کنڑی تھی،

حیدر علی کے عہد میں جو شعرا اور ادبا گزرے ہیں، ان میں سے صرف بعض کا علم ہمیں ہے، غازی اعظم کے مصنف نے بتایا ہے کہ شاہ محمد صدر الدین نن سنگل نامی مقام کے ایک عالم تھے، انہوں نے مخمس "مراۃ الاسرار" اور مصباح النور نامی رسالے تصوف میں چھوڑے ہیں دوسری کتاب پروفیسر سروری نے ایڈٹ کر کے شائع کر دی ہے، غازی اعظم کے مصنف نے ان کا یہ شعر بھی محفوظ کر دیا ہے

میں چال اپنی چھوڑ کر چلتی ہوں شہ کی چال میں
جیدھر ڈھلائے ڈھل پڑی بحر ڈھال ہوتی تھال میں

محمد سعید مکری عاصی کے بعض اشعار ملتے ہیں، مثلاً

زندگی میں پاس عزت مرد کو درکار ہے
جس کو خوف آبرو نہیں اس کی صحبت عار ہے
کیوں کروں برداشت عاصی چرخ ناہموار کا
اس دل بے تاب کو بار فلک دشوار ہے

سرنگا پٹم میں ایک اور بزرگ خیر اللہ شاہ قادری خادم رہتے تھے، غازی اعظم میں لکھا ہے کہ ان کا ایک چھوٹا سا خود نوشت دیوان موجود ہے اور نمونۂ کلام دیا ہے۔

تو لے کا ج میرے سامنے آ کے گھر میں
بجا لے کیں تو منزل بجا لے گیلی تارا
ہو لیا ہوں کس محل پر تحقیق سوں کچھ تو
عاقل کو اک اشارا مور کھ کو ہے تارا

ایک اور بزرگ شیخ میاں فضل اللہ فقیر سرنگا پٹم میں رہتے تھے، ان کی تصنیف چار طریقت دینیات کے نصاب میں شامل تھی، اس کے دو شعر آخر کے نمونہ کے طور پر دئے گئے ہیں

یارب تو اپنا فضل کر ان چار حرفاں پر سدا
ف، ق، ی، ر، یہ سو توں آسان کر روز حشر
یارب تو رکھنا شرم اب اس بارھویں صدی منے
ایمان کی بخشش توں کر سارے مسلماناں اپر

میر حسین علی کرمانی جید عالم اور عربی فارسی اور اردو کے اچھے شاعر تھے، مگر ان کا کلام دستیاب نہیں ہوا البتہ شہادت ٹیپو سلطان کے بعد انہوں نے ۱۸۰۶ء میں "نشان حیدری" نامی تاریخ لکھی، یہ کتاب آپ نے انگریزوں کے حکم پر کلکتے میں لکھی جہاں سلطان کے شہزادے نظر بند تھے، آپ دربار سلطانی کے موقع تھے اور حیدر علی خاں کے دربار میں باعزت عہدے پر مامور رہے

محمود خاں شیرانی اسی عہد کے ایک عالم تھے کولار کے متوطن تھے، ان کی چار کرسی نامی منظوم کتاب مقبول عام ہے، اس کے چند ابیات یہاں

پیش کئے جاتے ہیں

کرسیاں جو ہیں یوں تمام　　نواب حیدر کی گلی
قصبہ دن پی منے　　غلام علی شاہ کے محل
اس وقت دن پی منے　　امام بیگ حاکم تھا
قصبہ کرمکنڈہ منے　　مدت ستی باشندہ تھا

حضرت شاہ کمال الدین اپنے بھائی کے ساتھ حیدر علی خاں کی دعوت پر سرنگاپٹم آئے اور یہیں رہ گئے، یہ بڑے باکمال صوفی تھے، ان کے بھائی شاہ جمال الدین بھی بڑے خدا رسیدہ بزرگ تھے، ان دونوں حضرات کے مطبوعہ دیوان جنوبی ہند میں بڑی عزت سے دیکھے جاتے ہیں، جن کو کلیات مخزن القوت کہتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے

مع - خدا سے فقط میں خدا چاہتا ہوں
آفتاب آتش میں شہ کے غم کے سوز ادب ہے ہنوز
ماہ اس سوزش کے ہوتے میں گدازاں ہے ہنوز
کوسے چرخ اس درد کے ہو کر کو تنگنائی ہے ہنوز
ابر اس ماتم سے رو رو اشک باراں ہے ہنوز
بارے اس غم کے غم ہے قامت سرو چمن
ہر گل صد برگ کا صد چاک اس ماتم سے تن
اشک شبنم سے ہمیشہ تر ہیں نرگس کے نین
تازہ تر لالہ کے دل پر داغ ہجراں ہے ہنوز

ٹیپو سلطان علم و ہنر کے بڑے قدردان تھے، ان کی قدر افزائی کا شہرہ سن کر اہل علم اور اہل ہنر ان کے دربار میں کافی تعداد میں جمع ہو گئے تھے، آپ کے دربار میں عالموں اور شاعروں کا جمگھٹا ہوتا تھا بعض شاعر اور عالم شمالی ہند سے اور اکثر دکن سے

ہجرت کر کے یہاں آبسے تھے، سلطنت میں ہر طرف علوم و فنون، تعلیم و تعلم اور علم و فضل کا چرچا تھا کہا جاتا ہے آپ اپنے والد ماجد کی تقلید میں علماء، صوفیہ اور شعراء کو دعوت دے کر بلاتے اور پایہ تخت میں مقیم کرتے تھے،

۔ میسور میں اردو کے مصنف نے حسینی نامی ایک شاعر اور ان کی ایک منظوم کتاب کا ذکر کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ یہ نسخہ سلطان کے دست مبارک سے لکھا ہوا ہے اور اس پر ان کے دستخط بھی ہیں اس کے چند ابیات نقل کئے جاتے ہیں۔

کہوں مرشد کا میرے منقبت میں
مبارک ذات اور اخلاق طیب
اور ہے اولاد میں غوث الصمد کے
او یعنی ہیں ولی روشن احد کے
مبارک نام اس سید حسن ہے
چہرہ ان کا خاک سر مدینہ ہے

حسن علی عزت نامی شاعر نے سلطان کے حکم پر اصول موسیقی پر ایک تصنیف پیش کی جس میں فارسی غزلوں کے پہلو بہ پہلو اردو غزلیں لکھی ہیں اور ان کا نام ریختہ رکھا ہے، مثلاً ریختہ اول کے دو شعر

گل رخاں کرتا ہوں میں سلطان کا تم سوں بیاں
ہے عجب کچھ طرز اس کا طرفہ تر ہے داستاں
کیکے بریں دہ لباس کا رچ پی سفید
زیور الباس کو ہر چند ہے گوہر رواں

اور ریختہ دوم کے چند ابیات ملاحظہ ہوں

ہے عشاق پسندی کا ادبیات
زن خوش لقا تھی سرو روش
بھی کر سبز پوشاک تن کے اپر
زمرد کے زیور سی وہ جان جاں
کھلی سراپا کر اپنے کے تئیں
کیا سے جا ظہر کے شارماں

ایک شاعر نے جن کا تخلص طرب تھا سلطان کی مرہٹوں سے ایک لڑائی کا حال اپنی مثنوی فتح نامہ میں نظم کیا جس کے چند ابیات یہ ہیں

جو ناچار یک رات شب خون کر
کئے ان کے لشکر کو زیر و زبر
شتاباں دگولوں کا ہو کر ہجوم
پڑا چو طرف ان کے لشکر میں دھوم
کھڑا وقت ایا قیامت مگر
ہوے گویا قائم زمانے اپر
انکھیاں مل اٹھے نیند سے تمام
لگے ڈر کو کہنے لگے رام رام
بلا کا سوں آئی ہے یہ ناگہاں
کہ گویا پڑیا ٹوٹ کر آسماں

محمد اسحق نامی شاعر نے سنہ ۱۲۰۶ھ میں ریاض العارفین مثنوی تصوف میں لکھی، ان کے چند ابیات یہاں نقل کئے جاتے ہیں

فارسی سے تھی نشر یہ آشکار
تھے چھپے یہ بے بہا لعل و گہر
میں نہنگ قلزم اخلاص ہو
فارسی کے بحر کا غواص ہو
لایا ہر لعل و گوہر بحر سے
تھا جسے کہ روایت میں تمام

کہتے ہیں کہ سلطانی عہد میں شمالی ہند کے جعفر زٹلی کی طرح سرنگاپٹم میں بھی ایک ہجو گو شاعر زٹلی تھا، امیرامرا سے انعام و اکرام لیتا تھا، ایک دن سلطان شہید پر بھی یہ شعر کہہ ڈالے

اے سراج بزم دولت از تو روشن دہرا
کیا سبب تاریک ہے اب تک یہ میرا جھونپڑا
دال توڑ میں میر گوشت کا تو ذکر کیا
گرد گرد میر بھاجی بین کھوپرا
تجھ کو لازم ہے زٹلی کی کچھ خبر لینا مدام
توشہ دنیا دی ہے میں ہوں تیرا گوچڑا

نشان حیدری کے مصنف کرمانی نے سلطان کی شہادت پر ایک موثر مرثیہ لکھا جس کے چند ابیات یہ ہیں

اے فلک بس تو سفلہ پرور ہے
نیک بدخواہ و کینہ پرور ہے
تیری خاطر خرابیاں جگ میں
یکسر ان جہاں پہ اظہر ہے

ٹیپو سلطان شہید خود ایک اچھے ادیب اور منشی تھے آپ نے اپنے ایماسے اپنی نگرانی میں کئی فارسی اور اردو کتابیں بھی لکھوائیں اور ترجمے کرائے، فتح المجاہدین نامی کتاب جو اب شائع ہو چکی ہے خداداد عہد کی بہترین اور اہم ترین پیداوار ہے، اسے میر زین العابدین شوشتری کی تصنیف بتایا جاتا ہے جو سلطان کی

زیر نگرانی تیار ہوئی، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ خود
سلطان شہید کی تصنیف ہے، شاید آپ کے میر منشی
میر زین العابدین شوستری نے آپ کے حکم پر ترتیب دی ہو
یا اس کا مبیضہ تیار کیا، یہ دینی مسائل، جہاد کے احکام
وفضائل اور سپاہ و ملازمان کے لئے قواعد وضوابط کا
ایک بہترین مجموعہ ہے، اس میں آٹھ باب اور ایک
ضمیمہ ہے، اس کا ایک اور نام تحفۃ المجاہدین بھی ہے
اس کتاب کا تعارف طوالت طلب ہوگا، یہاں صرف
اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ سلطنت خداداد کا مایۂ ناز ترکہ ہے

اس کے چند فارسی اور اردو ابیات ملاحظہ
فرمایئے جو سلطان نے مختلف اوقات پر فوج کے
استعمال کے لئے لکھے تھے، سلطان کی شاعری کے یہی
نمونے ہیں جو ملتے ہیں

در نغمہ ابیض، بیت وقت طلوع صبح

آسفیدہ شد دمان گردید ظلمت منتشر
از عروج دین شدہ مخذول کفار جہان

بیت روز عید

دل خلق لبریز شد از نشاط
کند دام گلشن از انبساط

بیت وقت سوئم نہضت

ہر کجا گردد سپاہت جلوہ گر اے شاہ دہر
نصرت و فتح و ظفر گردد ز گردش آشکار

(اردو)

ملک ہندوستان میں دیکھا وہی سلطان ہے
غرق جس کے آب خنجر میں فرنگستان ہے
ہے وہی انساں کامل جس میں ہے حسنی کی بو

نقش دیبائی دگر صورت الفاتحہ

نغمۂ صبح

دعا کرتا ہے ہر اک موج جس وادی میں آ گنے
کہ یارب یہ جہاں داور زمانے کا سلیماں ہو
لب ہر ذرہ سے یہ لفظ نکلے ہے بصد آہ ہی
فلک پر مہر ہے جب تک زمیں پر ٹیپو سلطاں ہو

وقت طلوع آفتاب

وصف حسن خلق تیرا گر لکھوں اے شہریار
بے گماں ہر بیت ہووے مطلع صبح بہار

اور تفصیلات کے لئے فتح المجاہدین کا مطالعہ کر
نا چاہئے.

سلطان نے خطبات جمعہ کا ایک مجموعہ تیار کرا کے
سلطنت میں تقسیم کیا تھا، اس کا نام موید المجاہدین تھا
اور اس میں سب خطبے فارسی نظم میں تھے، تاریخ
سلطنت خداداد کے مصنف کا کہنا ہے کہ اس کا ایک نسخہ
ان کے پاس تھا اور علی گڑھ کے پروفیسر محب الحسن خاں
نے ان سے لے لیا، اب انہیں کے پاس ہے، اس کے
چند ابیات ملاحظہ ہوں

برائے دین نبی جہد کن کہ در دو جہاں
شوی عزیز و نصیب شود بہشت نعیم
خدا نکردہ اگر سستے کنی بہ جہاد
بہر دو کون شوی خوار و زار و زشت و ذمیم
ہمیشہ تاکہ بود آفتاب نور فشاں
قلوب زمرۂ ارباب دین باد سلیم

سلطان مطالعہ کے بے حد شوقین تھے، ان کے کتب خانے
میں انگریزوں کو . (بقیہ تعلیقات میں ملاحظہ کیجئے)

# السلطان الشهيد

مجيب النساء بيگم بی اے
بنارا جانتالی
ميسور

كم اشبه اليوم بالبارحة وما اشبه الحاضر بالغابر. فان الزمان دار وسار في احوال متغايرة وظروف متباينة ولكن الفطرة الانسانية لم تزل سالمة باقية على حالها ولذلك قد قيل ان قصص الاولين عبرة للآخرين. فللانسان ان يتدبر الامور والاحوال تدبرا كاملا مما قد مضى ليجعل آخرته خيرا من الاولى. ففي التاريخ عبرة وموعظة وحكمة نافعة لمن كان له فيه نظر فاختار منه تلك الغرر والدرر فاعتبروا يا اولي الابصار.

ومن اشتهر في تاريخ الهند رجل عظيم شاع صيته في الآفاق وذاع ذكره في الاقطار وهو اول مجاهد في سبيل استقلال الوطن السلطان ابو الفتح فتح علي تيبو ابن النواب حيدر علي خان بهادر. ولد في سنة ١١٦٣ الهجرية (١٧٥٠م) بديونهلي وهي قرية في ناحية بنجلور. وكان اسم امه فاطمة بيگم وابوه حيدر علي خان. هذا كان مؤسس السلطنة الجديدة في ميسور.

كان السلطان بطل الحرية وزعيم الملة رجلا عالما ومحبا للعلم جدا جمع عنده رجال العلم والادب والشعر وجمع في دار كتبه كتب في جميع العلوم والفنون المتداولة في ذلك العهد وفي اللغات المروجة في البلاد. ومن اظهر صفاته التقوى والشجاعة والاقدام وشدة البأس وكان يحب العمارة والاصلاحات في فنون شتى مع همه في الجيش وتحسينه. ومن آثاره الحصون والمساجد والقصور في اماكن متعددة لاسيما بعضها الباقية في سرنجفتن (التي سماها ظفرآباد) وهي عاصمته تقول بلسان الحال

هذه آثارنا تدل علينا . فانظروا بعدنا الى الآثار

وكان السلطان صالحا متقيا يكره الظلم ويحب رعيته امر بالعدل والمعروف ونهى عن الفحشاء والمنكر وكان محافظا على التكاليف الشرعية اتم محافظة فذكر لنا انه كان صاحب الترتيب بمواظبة الصلاة وكذلك الصيام والصدقات واقامة الشريعة في جميع شئون الحيات قياما تاما

قام بمهمات الامور في حيات ابيه و كان سياسته توسيع بلاده واستحكام سلطنته ودخول العافية فيها ومدافعة الاعداء

الذين حاصروها ماعدا جميع اعمالها. ثم تمت
اجرة في ١١٩٧هـ/١٧٨٢م فتولى امور السلطنة بعده
كان من اهم مقاصد السلطان اخراج
الانكليز من بلاد الهند واستقلالها لاهليها
واعلاء كلمة الحق ودين الاسلام فلهذا
جاهد طول حياته وخاطر بجميع ما كان يملكه
حتى استشهد. وتراسل السلطان مع
الامراء والملوك في الهند وخارجها والنظام
الملك كملك افغانستان وسلطان الروم
ونابوليون الاعظم وغيرهم واستنصرهم
على الانكليز لكنهم مالبوه ولكن اعظم
الاسف ان السلطان استشهد بسبب
خيانة امرائه وخواصه الذين خلفوا
عهودهم معه ودسوا عليه وكادوا له
مكيدا مع اعدائه واعدائهم فضاعوا
هذه المملكة الاسلامية (اسمها السلطان
سلطنة خداداد اي ما كانت من عطاء الله
ووهبه) التي يكون لولاهم سبب
لاستقلال هذه البلاد فجعلوا اهاليها
تحت استبداد الانكليز واستعمارهم
لمدة مديدة. فكان للسلطان اثر وفي
وسلطنتها وهو ذا خاف منه الانكليز
يون على انفسهم خوفا شديدا حتى
ان زعيم قوادهم واسمه جنرل هارس
لما سمع بشهادة السلطان صاح
صارت الهند كلها ملكنا اليوم!

وما جديد بالذكر انه لما احاط به
الاعداء من كل جانب وكان
لايزال يقاتلونهم عطش عطشا
شديدا فتلفت الى غلام له كان
عنده ماء ولكنه غدر بمولاه وابى
ان يعطيه الماء واشار عليه ان
تصالح مع اعدائه الانكليز ولكن
السلطان رد عليه قائلا "لحياة
الاسد الشجاع وان كانت سيادتها
يوما واحدا خير من حياة الثعلب
الجبان وان كانت مائة عام"
فرجع الى قتال اعدائه حتى
استشهد فرحمه الله تعالى في سنة
١٢١٣هـ
١٧٩٩م
قال شاعر في اشعار مكتوبة
على قبره :-

ان اخذت مصر كما قد ذكروا
وسوف نجي فتن اخذت وربها
مصيبة ما مثلها ارختها
ذهب عز الروم والهند كلها

-*-

وما بكي والفضل وصاحب
وان عدوا واحدا لكثير

# حیدر علی خاں کا حسنِ تخیل اور جدت

سید محی الدین ع ایم اے بی ٹی
لکچرر گورنمنٹ ٹریننگ کالج
میسور

اٹھارویں صدی میں کئی بہادر اس سرزمین میں پیدا ہوئے، یہ ابہود کا بڑا زمانہ تھا، یورپ میں بھی انہیں کا راج تھا، حکمران ان کی مدد اور بل بوتے پر جیتے تھے، اکثر اوقات انہوں نے سلطنت کو الٹ دیا ہے، کرایہ یا اجرت پر اپنی فوجی مدد دیتے تھے، جہاں زیادہ رقم مل جاتی وہاں اپنی فوج روانہ کر دیتے، مگر ہندوستان میں یہ حالت نہ تھی، یہاں بھی امراء اور بہادر سر اٹھانے، راجاؤں اور بادشاہوں کو اپنے تابع رکھا، اشاروں پر چلایا، مرہٹوں میں بہادر جاسنہ سیا ایک جانباز بہادر سربلند ہوا، مغلوں کو اپنے زیر اثر رکھا دکن اور شمالی ہندوستان میں اس نے اپنی دھاک بٹھا دی،

کرناٹک میں حیدر علی خاں نے جو ترقی کی تاریخ اس کی گواہ ہے، نائکی سے سپہ سالاری حاصل کی اور اپنا سکہ چلا دیا، یہ ایک نہایت دلچسپ انسان تھے، ارادے اٹل اور مضبوط، ہمت اور حوصلے بلند، عقل و فراست لاثانی و خداداد، جدھر جاتے کامیابی ہمرکاب رہتی، شبخون لڑائیوں میں یکتائے زمانہ، مسلسل اور لگاتار دو چار حملوں میں دشمن کا شیرازہ بکھیر دیتے، یہ نہایت عجیب و غریب ہوتے، ہر حملہ کا انداز جدا اور ترتیب الگ، دشمن ان حملوں سے نہایت خوف زدہ رہتے تھے، ہر گھڑی چوکنے، اس کے باوجود حملہ ہو ہی جاتا اور تباہی مچ جاتی، نواب بہادر نے کسی چیز کا کبھی غلط اندازہ نہیں کیا، دشمن کو حقیر نہیں سمجھا، سوجھ ہمیشہ صحیح و سالم، گو امی تھے مگر خدا نے بلا کی عقل ذہن اور حافظے سے انہیں مالا مال کیا تھا، اگر کسی شخص کو ایک مرتبہ دیکھ لیتے تو بھولتے نہ تھے، فوجیوں میں اکثروں کو نام سے یاد کرتے، حکومت کے کاروبار میں نواب بہادر نے انتہائی قابلیت بتلائی، اپنے حافظہ پر انہیں بڑا بھروسہ تھا، کبھی غلطی نہ ہوتی تھی، پورنیا مملکت کا بڑا عہدہ دار تھا، حساب و کتاب اسی سے لیا جاتا تھا، جب نواب بہادر طلب کرتے تو خوف زدہ ہو جاتا کہ کہیں کوئی چوک نہ ہو جائے، ہر ضلع کی آمدنی کا اندازہ تھا، افسروں کے رد و بدل کے احکام خود جاری کر دیتے، بڑے سے بڑے ادیب درباری اور عہدہ داران سے جھینپ جاتے تھے، امیروں کے دلوں پر ان کی خداداد قابلیت اور اولوالعزمی کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی

انگریز جب جنوبی ساحلی علاقوں پر قدم جمانے لگے اور دیسی ریاستوں کے کاروبار میں ریشہ دوانیاں کرنے لگے تو نواب حیدر علی خاں کو شبہ ہونے لگا کہ کہیں پھر نو وارد فرنگی ہندوستان کی آزادی کو دھکا نہ دیں، دیسی راجاؤں اور نوابوں

کو انہوں نے بروقت آگاہ کیا کہ ان کے عزائم ناپاک ہیں ممکن ہے کہ ایک خلفشار پیدا کر دیں اور اپنا راج قائم کر دیں ان سے دوستی رکھنا خطرے سے خالی نہیں، ہندوستان کی سرزمین سے ان کو فوراً نکال دیا جانے مگر کوتاہ اندیش حکمران ان کی باتوں کو سمجھ نہ سکے اور اس تنبیہ کی کوئی پروا نہ کی گئی۔ نواب بہادر اکیلے ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ ارادہ کیا کہ دشمن کو کسی طرح ہرایا جائے، چونکہ مقابلہ ایک بحری طاقت سے تھا تو ایک بیڑے کی ضرورت محسوس ہوئی، مغربی ساحل پر منگلور کی بندرگاہ ان کے ہاتھ آچکی تھی تو یہ مناسب سمجھا کہ ایک طاقتور بحری بیڑہ قائم کیا جائے اور دشمن کو سمندر ہی میں پسپا کیا جائے، ماہرین کی نگرانی میں بندرگاہ کی تعمیر ہوئی اور ایک زبردست بیڑہ قائم ہوا، جب یہ خبر پایۂ تخت کو پہنچی تو نواب بہادر نے ایک دربار منعقد کیا اور درباریوں سے یہ فرمائش کی کہ سمندری بیڑے کے عہدہ دار کا لقب کیا ہونا چاہیئے؛ عرض کیا کہ اس کو امیر البحر کہا جائے، نواب بہادر نے اس کو پسند نہ فرمایا اس لیے کہ لفظ عام فہم نہ تھا اور سہل لفظ کی فرمائش کی تو کوئی بدل پیش نہ ہوا درباری سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کیا جائے، نواب بہادر فوراً بول اٹھے کہ اس کو دریا خاں کہا جائے، اتنا سہل پر معنی اور موزوں لفظ کسی کے ذہن میں نہ آیا تو مجلس میں ایک سناٹا چھا گیا۔ واہ وا رے جدت کیا تیری طبیعت کیسی ظرافت کیا حسن تخیل تھا

نواب بہادر نے حالات کے مدنظر اپنی پیدل فوج میں اضافہ کیا اور جب انتظام کچھ بگڑتے دیکھا تو توپ خانے کو اس سے الگ کر دینا مناسب سمجھا۔ ایک باقاعدہ آرٹلری ڈپارٹمنٹ (بارود خانہ) قائم کیا گیا، عہدہ دار مقرر ہوئے، ایک افسر اعلیٰ کی بھی ضرورت محسوس ہوئی جس کا درجہ سپہ سالار کے برابر ہو نواب بہادر نے اپنے مشیروں سے اس نئے عہدہ دار کے لئے ایک موزوں لقب کی فرمائش کی۔ سبھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ اس کو امیر توپ خانہ کہا جائے یہ لقب انہیں پسند نہ آیا، کہا کہ اور آسان لفظ تلاش کرو، کوئی بدل پیش نہ ہو سکا تو نواب بہادر نے اپنی کاوش سے ایک ایسے لفظ کو ڈھالا جو سہل موزوں اور نہایت سندر تھا جس کو ان کی پرجا ہندو اور مسلمان سمجھ سکتے، فرمایا اس نئے عہدہ دار کو بخشی نواب کہا جائے کس بلا کی جدت تھی

حیدر علی خاں نے کئی مقامات کے نام بدلے جو موزوں اور مناسب حال تھے، جب وہ لوگ کوٹھ کی تسخیر میں مشغول تھے تو پایۂ تخت سے یہ خبر آئی کہ محل میں ولادت ہوئی ہے۔ یہ نہایت مسرت و خوشی کا سماں تھا، فوجوں کو تعطیل دے دی گئی، محفل تہنیت منعقد ہوئی، ہر طرف خوشی کے نظارے تھے، نواب بہادر نے اس مقام کو خوش حال نگر کہا، یہ مقام آج بھی اسی نام سے [illegible] ہے، بنگلور بھی انہیں کے دماغ سے نکلا تھا، جیسے کہ [illegible] اور گنجی آباد اور لال باغ کے نام انہیں کے دماغ کی پیداوار تھے

# سلطنت خداداد کی معاشی حالت

**خلیل احمد**
اول آنرز (معاشیات)
مہاراجا کالج، میسور

حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی حکومت بہت کم مدت تک رہی، پھر بھی ان دونوں باپ بیٹے نے اپنی ریاست کی خوش حالی کو ہمیشہ اپنا مقصد قرار دے کر اپنی حکومت کی بنیاد معاشیات کے بہترین اصولوں پر قائم رکھی تھی، یہی وجہ ہے کہ سلطنت خداداد سارے ہندستان میں سب سے زیادہ سرسبز اور اس کے باشندے سب سے زیادہ خوش حال تھے، اس کے برخلاف انگریزی اور ان کے باجگزار مقبوضات کرناٹک اودھ اور بنگال وغیرہ صنعتی پر بدنما دھبے تھے اور رعایا قانونی شکنجے میں کسی ہوئی بالکل پریشان تھی

حکومت خداداد میں کاشت کاری اور زراعت کو خاص اہمیت حاصل تھی، اس کو اعلیٰ پیمانے پر ترقی دی گئی تھی، اس حکومت کے قائم ہونے سے پیشتر میسور میں زمینداری اور جاگیرداری کا رواج تھا اور ریاست بھر میں ستر بڑی زمینداریاں تھیں، زمینداروں کے ظلم سے کسانوں اور کاشت کاروں کی حالت گری ہوئی تھی، ٹیپو سلطان نے ان تمام زمینداریوں کو ختم کرکے حکومت اور کاشت کار میں براہ راست تعلق قائم کیا، زمین سرکار کی ملکیت قرار پائی اور کسان سرکار کو براہ راست لگان دینے لگا، لگان پیداوار کے لحاظ سے لی جاتی تھی، کسانوں کو مفت زمین بھی تقسیم ہوا کرتی تھی، پیداوار ہونے تک لگان معاف کی جاتی تھی اور ساتھ ساتھ کسانوں کو بیج بھی مہیا کئے جاتے تھے، بارش نہ ہونے پر کسانوں اور عوام کو اناج اور دیگر ضروری اشیا، مفت دینے کا انتظام ہوتا تھا، لگان نقد یا پیداوار کی صورت میں لی جاتی تھی، اس کے علاوہ سلطان نے زراعت کو ترقی دینے کے لئے بنگلور اور سرینگاپٹم میں زرعی فارم بنوائے تھے، جہاں غیر ممالک سے درخت، پودے اور بیج منگواکر یہ تجربہ کیا جاتا تھا کہ ان کی کاشت اس ملک میں ہو سکتی ہے یا نہیں، ریشم کی کاشت جو ملک میسور میں اجنبی تھی، اس کے فروغ کے لئے سلطان نے بنگال سے شہتوت کی شاخیں منگوائی تھیں اور یہ صنعت حوصلہ افزائی سے دن دونی رات چوگنی ترقی کر گئی، قصبہ ملولی اور کنگل تعلق میں اس کی کاشت ہوتی تھی، آج بھی شہتوت کی ایک قسم سلطانی کڈی کے نام سے مشہور ہے، اس طرح جائفل ٹرانکوبار سے منگواکر میسور میں لگوائے اور زعفران کی تخم ریزی کا افتتاح ریاست میں کیا گیا کسانوں میں چاول کے عمدہ قسم کے بیج منگواکر تقسیم کئے جاتے تھے، سلطنت خداداد میں کافور کے درخت بھی دریافت ہو گئے تھے

زراعت کو ترقی دینے کے ساتھ ساتھ سلطنت خداداد کا دوسرا بڑا کارنامہ امرت محل

ی شعبے کا قیام تھا، اس محکمے میں بیل، گائے
وڑے، خچر اور ہاتھیوں کی پرورش اور عمدہ
ل کشی کا انتظام تھا، ان مویشیوں کے لئے مخصوص
راگاہیں اور فارم تھے اور ان کی نسل کشی کے لئے
ب، افغانستان وغیرہ سے عمدہ جانور منگوائے
تے تھے، ان اصلاحات کو روبہ عمل لانے کے ساتھ
اتھ ریاست میں آب پاشی اور نہروں کی
مدائی کے لئے کچھ اسکیمیں بھی مرتب کی گئیں، اسی
مقصد سے پہلے تو سرینگاپٹم میں کئی نہریں
کھدوائی گئیں پھر دریائے کاویری پر بمقام
ارشناراج ساگر ایک بند کا سنگ بنیاد رکھا گیا

سلطنت خداداد نے اپنی تجارت، صنعت و
رفت اور جہاز رانی کی ترقی کو خاص اہمیت دے
کھی تھی، ان کو ملک کی خوش حالی اور ترقی کے لئے
ضروری تصور کیا جاتا تھا، ان ترقیات سے متاثر
ہوکر کرمانی اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے "ٹیپو
ایک حاکم ہی نہیں بلکہ ایک تاجرانہ دماغ کا مالک بھی
تھا، ٹیپو کے دور حکومت میں تجارت کی ترقی اور
نگرانی کے لئے ایک "بورڈ آف ٹریڈ" قائم کیا گیا تھا
غیر ممالک سے تجارت کرنے کے لئے حکومت کی جانب
ے مسقط جدہ اور رنگون وغیرہ مقامات پر
تجارتی کوٹھیاں کھولی گئی تھیں، ایسی ہی چند
کوٹھیاں ہندستان کی مختلف ریاستوں میں بھی
تھیں، ان میں پونا اور جام نگر کی تجارتی کوٹھیاں
مشہور تھیں، ممالک غیر سے تجارتی تعلقات قائم
کرنے کے لئے ٹیپو سلطان وقتاً فوقتاً وفود بھیجا

فوجی منصوبوں میں سرمایہ لگانے والے تاجروں
کی حفاظت اور نگہداشت کا پورا انتظام ہوتا تھا
ان کو تمام سہولتیں بھی دی جاتی تھیں، ان کے
لئے دو سال تک ہر قسم کا محصول معاف ہوتا تھا،
ان میں ملکی اور غیر ملکی دونوں قسم کے تاجر شامل تھے
تاجروں اور کاشتکاروں کی سہولت کے لئے ملک
بھر میں بنک جاری تھے، ان بنکوں سے متوسط
اور غریب طبقے والے زیادہ فائدہ اٹھایا کرتے تھے
ان بنکوں کے ماتحت سرکاری دکانیں ہوتی تھیں
جہاں پر ہر قسم کا مال بکتا تھا اور ان سے جو منافع
حاصل ہوتا تھا وہ بنک کے ذریعے حاجتمندوں میں
تقسیم کیا جاتا تھا

سلطان کے دور حکومت میں درآمد اور
برآمد پر پابندی عائد کردی گئی تھی، ٹیپو سلطان
نے انگریزی عملداری اور ارکاٹ کی ریاست سے مال
درآمد کرنے پر امتناعی قانون جاری کردیا تھا،
سلطان پردیسی مال کے استعمال کو قومی مالیات
کا نقصان سمجھتے تھے اور سودیشی مال کے استعمال
پر زور دیتے تھے، خود بھی ملک کا بنا ہوا کپڑا اور
نمک وغیرہ استعمال کرتے تھے اوروں کو بھی اس
کی ترغیب دلایا کرتے تھے، اس طرح مقامی صنعت
و حرفت کی کافی ہمت افزائی ہوئی، حکومت کی
نگرانی میں یہاں سے خام پیداوار جیسے کالی مرچ
الائچی کافی صندل، اور دیگر مصنوعات اور تیل، وغیرہ
ریاست سے غیر ممالک میں فروخت کے لئے بھیجے جاتے تھے
اور ان ممالک سے لوہا گندھک اور شورہ خریدا

جاتا تھا

حکومت کی طرف سے اشیا کا نرخ مقرر کر دیا جاتا تھا اور اناج وغیرہ ٹیپو سلطان کے محل کے توشہ خانہ میں جمع کیا جاتا تھا جہاں سڑنے اور گلنے والی اشیا دیر تک محفوظ رہتی تھیں، اس اناج کی گرانی کے وقت عملداروں اور تحصیلداروں کی معرفت ساری ریاست میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ٹیپو سلطان نے تجارت کی سہولت کے لئے نئے سکے رائج کئے اور ریاست بھر میں ناپ تول کے خاص پیمانے بھی متعین کر دئے۔

کسی ملک کی مالیات اور تجارت کی ترقی کا دار و مدار اس کی صنعت و حرفت پر ہوتا ہے، اس نقطۂ نظر سے سلطنت خداداد کی صنعت و حرفت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ٹیپو سلطان نے ساری ریاست میں تقریباً تیس کارخانے کھول رکھے تھے، ان سرکاری کارخانوں میں مندرجہ ذیل مصنوعات تیار ہوتے تھے

معدنیات میں کانوں سے لوہا، سونا اور شورہ وغیرہ نکالا جاتا تھا، شیشہ سازی کے کارخانوں میں چینی کے برتن، کانچ کی صراحیاں چراغوں کے فانوس اور آئینے وغیرہ بنائے جاتے تھے، فولاد کے کارخانوں میں جنگی سامان جیسے تلوار، بندوق توپ، گولے اور گولیاں وغیرہ تیار ہوتے تھے، اور ملک کی لوہے کی خام پیداوار کا بہت بڑا حصہ ان کارخانوں کی نذر ہو جاتا تھا، علاوہ ازیں کارخانوں میں کاغذ بھی تیار ہوتے تھے

کپڑے کے کارخانے شہر گنجام، بنگلور چن پٹن وغیرہ مقامات میں تھے، گرمیوں کے لئے ململ تھا جہاں کے ڈھالے جاتے تھے، نگر، ساگر اور چن پٹن میں لکڑی کے کھلونے اور فرنیچر بنایا جاتا تھا، خانخان ہلی میں بندوق سازی کا کارخانہ تھا، منگلور میں قالین کے کارخانے قائم تھے، بیک بالاپور میں مصری بنائی جاتی تھی

ٹیپو سلطان کے دور حکومت میں پارچہ بافی کو بڑا عروج حاصل تھا، خاص کر پھول دار کپڑا، ریشم کا کپڑا، مزلین اور بہترین قسم کی ململ تیار ہوتے تھے، اون سے شال اور کمبل بنائے جاتے تھے، فولاد سے آلات موسیقی کے تار چن پٹن اور سرنگا پٹم میں بنائے جاتے تھے، صنعت چرم سازی بھی ترقی پذیر تھی، ٹیپو سلطان کے دور حکومت میں ایک ایسی عجیب و غریب مشین ایجاد ہوئی تھی جو پانی سے چلتی تھی اور جس سے توپوں میں سوراخ ڈالنے کا کام لیا جاتا تھا، سلطنت خداداد میں جہاز رانی کو بھی خاص اہمیت حاصل تھی، بھٹکل، منگلور اور کالی کٹ کی بندرگاہوں سے کام لیا جاتا تھا، منگلور جہاز سازی کا صدر مقام اور بڑی بندرگاہ تھا، ان بندرگاہوں میں جہازات کی آمد و رفت کا سلسلہ ہمیشہ لگا رہتا تھا جہازوں پر تانبے کی چادریں چڑھائی جاتی تھیں، یہ جہازات دیرپا ہوتے تھے انہیں یورپی قوموں کے جہازوں پر فوقیت حاصل ہو گئی تھی، ٹیپو سلطان نے منگلور کے ساحل پر موتی نکالنے کی کوشش کی لیکن اس کوشش میں کامیابی نہ ہوئی (بقیہ صفحات پر دیکھئے)

# بقیات

**"میسور کی ایک گراں قدر تصنیف"** کا بقیہ

کتاب کئی باتوں کے لحاظ سے قابل قدر اور قیمتی ہے

۱۔ جنوبی ہند میں لکھی گئی جہاں لغت کی کوئی دوسری کتاب اس سے پہلے یا بعد میں ابھی تک نہیں لکھی گئی

۲۔ ٹیپو سلطان کے عہد کی ایک تاریخی یادگار ہے

۳۔ ایک برہمن نے لکھا تھا جس کو سلطان شہید نے مسلمان بنا کر فارسی و عربی کی تعلیم دی

۴۔ سلطان کا پورا عہد سولہ سال چار ماہ کا ہے، اس میں سات سال جنگوں میں گزرے باقی نو سال کچھ امن رہا، اگر کتاب زوال سلطنت سے دو یا تین سال پیشتر بھی شروع کی گئی تھی تو تعلیم کے لئے صرف چھ یا سات سال رہ جاتے ہیں اور حیرت ہے کہ مصنف نے اس قدر مختصر عرصے میں اتنا کمال حاصل کیا کہ لغت لکھنے پر آمادہ ہوگیا بلکہ لکھ بھی ڈالا

۵۔ بجائے قدیم طرز یعنی حروف تہجی کی ترتیب کے ایک جدید طرز پر یعنی الفاظ متحد المعنی کی ترتیب پر یہ لغت لکھا گیا ہے

۶۔ مسلمانوں کے پونے دو سو سالہ عہد میں پورے جنوبی ہندستان میں یہی ایک معتبر بالشان علمی و ادبی کتاب ہے جو تصنیف ہوئی

**"انی اتیکم بسلطان مبین"** کا بقیہ

آزاد سلطنتوں کے لئے یہ کوئی جرم نہیں ہے کہ وہ دوسری سلطنتوں سے دوستی کریں، سلطان نے بے شک ایک سفارت فرانس کو روانہ کی تھی، خود انگریزوں کو اعتراف ہے کہ وہ سفارت ناکام واپس ہوئی، یہ چوتھی جنگ سے کئی سال پیشتر کا واقعہ ہے، کیا ولزلی نے اس کو ہی جنگ کا سبب قرار دیا، جو کتابیں سکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں وہ یہی کہتی ہیں کہ سلطان فرانس سے تعلقات بڑھانا چاہتا تھا، اسی لئے حفظ ما تقدم کے طور پر ولزلی نے جنگ چھیڑ دی، یہ بالکل صحیح ہے کہ انگلستان فرانس کے خوف سے لرزاں تھا، نپولین سے اس کی روح کانپ رہی تھی، نپولین نے مصر فتح کرنے کے بعد ٹیپو سلطان کو ایک خط لکھا اور اس خط کے ساتھ شریف مکہ کو بھی ایک خط لکھا کہ دوسرا خط سلطان تک پہنچا دیا جائے، شریف مکہ نے جس کو صحیح النسب ہاشمی ہونے کا دعوی تھا، ان دونوں خطوط کو انگریزی ایجنٹ مقیم جدہ کو پہنچا دیا، جہاں سے یہ انگلستان بھیجے گئے اور ان کی نقل ولزلی کو بھی بھیجی گئی، اس وقت نپولین کا خطرہ بالکل دور ہو چکا تھا، نپولین کا جہازی بیڑا تباہ کر دیا گیا، وہ مصر سے نکل کر شام چلا گیا اور وہاں سے فرانس کو، یہاں اس مضمون میں صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ سلطنت خداداد کی تباہی میں نہ صرف سلطان کے مسلمان امیروں اور وزیروں کا

اقتصہ بلکہ شریف مکہ کے خاندان نے بھی حصہ لیا تھا

## "سلطانی وفد خلیفہ دوم کی خدمت میں" کا بقیہ

اور میرا دل تیرے لئے ہے، میری حیات اور میرا وجود تیرے لئے ہے، میرا خون اور میری جان تیرے لئے ہے" نپولین جیسے شخص نے بھی خود کو دشمنوں کے حوالے کر دیا اور ایک قیدی کی موت مرا، لیکن سلطان میدان جنگ میں ملک کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے، وہ جانتے تھے کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے، یہی چیز ٹیپو کو نپولین پر فوقیت دیتی ہے، ان کی موت صرف ایک بلند ہمت مجاہد کی موت نہ تھی، بلکہ ان کے ساتھ حفاظت وطن کا ہر ہنگامہ مر گیا، یہ ایک فرد کی موت نہ تھی بلکہ ہندستان کے جہاد استقلال کی موت تھی

## "ظفر آباد کے کتبے" کا بقیہ

بہ ہند قائم و محفوظ از آفات
بہ فضل و رحمت خلاق معبود

اس میں قلعہ کا سال تاریخ ۱۲۱۹ محمدی بتایا گیا ہے اور باقی سب نجوم کے مطالب ہیں

میں کوٹہ کے مشہور مندر میں جو سلطانی نقارہ بجایا جاتا ہے، اس میں یہ عبارت کندہ ہے

"وہ یادگار۔ قلعہ دوئیم نقارۂ ظفر اثر حسب الحکم و اہتمام سرکار حیدری سال بنا ۱۲۱۵ سنہ محمد ... رطل ... و ہفت نیم رطل"

ریاست بھر کے مختلف اور متعدد مندروں میں سلطان کے دئے ہوئے جو برتن اور ہیرے جواہر ہیں، ان سب پر آپ کا نام نامی کندہ ہے

## "دلی بادشاہ" کا بقیہ

زانی کو آپ کے عہد میں باقاعدہ قتل کی سزا دی جاتی تھی، آپ والدین کے بڑے فرماں بردار رہے، کبھی سر مو بھی ان کے حکم سے تجاوز نہیں کیا، بردہ فروشی اور انسانی قربانی کو سختی کے ساتھ منع کر دیا، انتظام کا یہ عالم تھا کہ سلطنت میں کامل امن وامان اور ہر طرح اطمینان تھا، سزا اور سیاست میں، اپنے پرائے میں کوئی فرق نہ رکھا، اختلاف مذہب کی بنا پر نہ کسی سے برا سلوک کیا نہ کسی کا حق چھینا، ہندو اور عیسائی بھی اتنے ہی شاد آباد تھے جتنے مسلمان، تبلیغ اسلام کا ہر لحظ خیال رہا مگر کبھی اس کا کوئی غیر اسلامی طریقہ اختیار نہ کیا، کسی کو کچھ تکلیف ہوتی تو اس سے زیادہ احساس آپ کو ہوتا تھا، جب تک اسے دور نہ کر دیتے چین نہ لیتے تھے، خود کو بادشاہ نہیں بلکہ رعایا کا خادم اور ان کے جان ومال کا محافظ اور ضامن سمجھتے تھے، اس کا اظہار آپ کی تحریر وتقریر دونوں سے ہوتا ہے، ملت اسلامیہ کی یکجہتی اور ترقی کی جو کوششیں آپ نے کیں وہ تو ظاہر ہیں، آپ ایک صوفی آدمی تھے اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتے تھے، شاید اسی لئے خدائے تعالیٰ نے آپ کو شہادت کا مرتبہ بھی عطا فرمایا، یہ نعمت ہر کس و ناکس کو کہاں ملتی ہے، تاریخ آپ ایسے دلی بادشاہ کی مثالیں بالکل نادر ہیں

"ہندوؤں سے سلوک" کا بقیہ

رائس نے میسور گزیٹر میں لکھا ہے کہ انگریزی تحقیقاتی کمیشن کو دیوان پورنیا نے بتایا کہ ٹیپو سلطان سالانہ ہندو مندروں کو ۱۹۳۹۵۹ اشرفیاں بھی مٹھوں کو بیس ہزار اشرفیاں اور مسلم مسجدوں اور درگاہوں کو بیس ہزار اشرفیاں دیتے تھے

"زبان و ادب" کا بقیہ

تفسیر، حدیث، دینیات، فلسفہ، تصوف، فقہ، نجوم ب، لغات، دواوین، ہندی، قصص و حکایات وغیرہ مختلف علوم وفنون کی جلد سات سو کے لگ بھگ مستند کتابیں ملیں

سلطان کی فارسی نثر کا ایک نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے

ٹیپو سلطان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درشہر گنجام برادران وخویشان مردم نوکر پیشہ وغیرہ کہ بروزگار رہنتند آنہارا گرفتہ در بیادہای علاقہ ایشاں نوملازم کنانید وغلاماں را در سرکار خداداد یک قلم آزاد فرمودہ شدہ است، ایشاں نیز تقید وخبرگیری این معنی داشتہ از آنہا غلاماں را آزاد کنانند، غلاماں برضا ورغبت خود پیش ہرکسی کہ بطور نوکری بمایند مختار اند"

اس دور کی اردو دکنی اردو تھی مگر دکنی کے مقابلے میں اس میں فارسی کی آمیزش زیادہ تھی اور اس عہد کی فارسی بھی وہی ہندوستانی فارسی ہے، یہاں کی فارسی نظم ونثر کا کوئی خاص امتیازی رنگ نہیں

سلطان نے کنڑی ادب پر بھی دریا نوازش کیں مگر کہا جاتا ہے کہ اس عہد میں کنڑی ادب نے نہ کوئی خاص ترقی کی نہ اسے کچھ تنزل ہوا، البتہ اس زبان پر فارسی کا گہرا اثر پڑا، دفتری اصطلاحیں اور عام الفاظ اس طرح اس زبان میں داخل ہوگئے کہ آج اجنبی کوئی غیر اور اجنبی نہیں کہہ سکتا، آج بھی ان کا استعمال برابر جاری ہے

"سلطنت خداداد کی معاشی حالت" کا بقیہ

ٹیپو سلطان کے دیگر صنعتی کارنامے جو قابل ذکر ہیں، یہ ہیں، کڑپے میں سیسے کی کان کنی کا کام شروع کیا گیا تھا، اس سلسلے میں سرنگا پٹم میں ایک معمل قائم کیا گیا تھا جہاں دھات کو پرکھا جاتا تھا

ٹیپو سلطان اپنی ریاست کی آبادی کو بڑھتی ہوئی دیکھنے کے خواہاں تھے، آپ نے سرنگا پٹم کی مردم شماری کا حکم بھی دیا تھا، میسور کی چوتھی جنگ کے بعد یہ اندازہ لگایا تھا کہ جو علاقہ ٹیپو سلطان کے زیر نگیں تھا، اس کی کل آمدنی تقریباً 83675490 کی تھی

سلطان نے اپنی ریاست میں تعلیم کی توسیع کے لئے تعلیم کا عام بندوبست کیا تھا، یتیموں اور بے کسوں کی دیکھ بھال کے لئے یتیم خانے کھولے تھے، سلطنت بھر میں مالگزاری کے لئے قانون جاری کیا گیا تھا اور اس کی وصولی کے متعلق سلطان کا نظریہ یہ تھا کہ سرکار کی منفعت اور رعایا کی سرسبزی کے لئے عمال حکومت کو محاصل کی وصولی میں باقاعدگی اور پابندی کا خیال رکھنا چاہیئے

# منزل نہ کر قبول

علامہ اقبال

## سلطان ٹیپو کی وصیت

تو رہ نورد شوق ہے! منزل نہ کر قبول!
لیلےٰ بھی ہم نشیں ہو محمل نہ کر قبول!

اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز!
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول!

کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں!
محفل گداز! گرمی محفل نہ کر قبول!

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول!

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

(ضرب کلیم)

# مخزن ۱۹۵۶ء کے بارے میں مشاہیر کی رائیں

ہز ایکسلنسی ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، ایم اے، پی ایچ ڈی
سابق وائس چانسلر، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، سابق ممبر
یونیورسٹی گرانٹس کمیشن، گورنر بہار

"مخزن کا پرچہ اس وقت میرے پاس نہیں ہے، کتب خانے میں بھیج دیا تھا، مگر مجھے یاد ہے کہ بہت اچھا تھا، اور جس بات سے مجھے خاص خوشی ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ طلبا اس میں علمی و ادبی مسائل پر اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں، اور اس کے صفحات پر آئندہ کے ادیب اور عالم اپنی مشق بہم پہنچاتے ہیں، مشہور لکھنے والوں کے مضامین جمع کر لینا بھی اچھا ہوتا ہے مگر ایک تعلیم گاہ کے رسالے میں اگر طلبہ کو مشق کا موقع ملے تو بہت اچھا ہے، مجھے امید ہے کہ آج جو نوجوان مخزن میں لکھتے ہیں وہ چند سال بعد اردو کے اچھے لکھنے والوں کی صف میں دکھائی دیں گے"

ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور، ایم اے،
پی ایچ ڈی (لندن) سابق پروفیسر اردو، عثمانیہ یونیورسٹی
اعزازی جنرل سکریٹری، ادارۂ ادبیات اردو، حیدرآباد دکن

"بزم ادب اردو و فارسی و عربی، مہاراجا کالج میسور کے سالانہ مخزن کے مطالعے سے مجھے بڑی مسرت ہوئی، یہ پرچہ ڈاکٹر خضر علی خاں صاحب کی نگرانی میں، اور میر محمود حسین صاحب کی مساعی سے بہت ہی کامیاب طریقے پر مرتب اور شائع ہوا ہے، اس میں طلبہ اور طالبات نے جو مضامین نظم و نثر میں لکھے ہیں وہ قابل تعریف اور لائق ستائش ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجا کالج اردو کے ذوق ادب کو بڑی خوبی سے سنوارنے میں مصروف ہے، وہاں کے اساتذہ اور طلبہ دونوں مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اتنا گراں قدر اور مفید رسالہ انہوں نے مرتب کیا، اس کے مقالے، افسانے اور نظمیں سب اس سلیقے اور خوش اسلوبی سے لکھے گئے ہیں کہ ان کو پڑھ کر کوئی شخص داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا

میسور اردو ادب کی اس طرح خدمت جاری رکھے تو یہ زبان اور اس کا ادب اس علاقے میں سرسبز و شاداب رہ سکتا ہے

میں آپ سب کو مکرر مبارکباد دیتا ہوں

پروفیسر رشید احمد صدیقی، ایم اے،
پروفیسر اردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

"سب سے پہلی اور سب سے زیادہ اچھی بات تو مجھے یہ محسوس ہوئی کہ لڑکوں اور لڑکیوں نے سارے مضامین بڑے شوق اور فخر سے لکھے ہیں، آپ کے طالب علموں میں یہ صلاحیت بڑی نیک فال ہے، بجز یہ کہ دہلی اور لکھنؤ سے اتنی دور دراز پر واقع ہونے پر بھی آپ لوگوں کی زبان اور انشا ان فرزندوں اور بزرگوں کی زبان و انشا سے کسی طور پر کمتر نہیں ہے جو ان مراکز سے نسبتاً بہت قریب رہتے آئے ہیں، ان مضامین کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے یہ محسوس کیا کہ آپ کے طالب علموں میں موضوعات کے منتخب کرنے اور ان پر خرافت، قابلیت اور سلیقے سے اظہار خیال کرنے کا غیر معمولی ملکہ ہے، اس بارۂ خاص میں میں اساتذہ کو بھی قابل تحسین و تہنیت سمجھتا ہوں جن کے سایۂ شفقت میں نونہال تعلیم و تربیت

حاصل کرتے ہیں"

گزشتہ ماہ ساگر رسیدہ کلا باز کا مضمون قابل قدر ہے، اس ساگر کے نظامیہ سے میں ایک بار لطف اندوز چاہوں، لیکن اس لطف میں اس احساس سے اور اضافہ ہوا کہ علامہ شہید کے اس تاریخی کارنامے کو زندہ رکھنے میں ہمارا جاگما صاحب میسور نے کس وسعت نظر اور عالی ظرفی سے کام لیا، میں اپنے اس احساس کو ساگر کے ظاہری حسن سے زیادہ قابل قدر سمجھنے لگا ہوں

مولانا نیاز صاحب فتح پوری، مدیر نگار، لکھنؤ

"ہمارا جا کالج میسور کا اردو جریدہ مخزن گو سال میں ایک بار شائع ہوتا ہے، لیکن اپنے بلند پایہ مقالات کے لحاظ سے تاریخی، علمی و ادبی معلومات کا اتنا قیمتی ذخیرہ ہو جاتا ہے کہ اسے ایک مستقل تصنیف کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا"

پروفیسر سید احتشام حسین صاحب، ام، اے
پروفیسر اردو، لکھنؤ یونیورسٹی

"میسور اور جنوبی ہند کے دوسرے حصوں میں اردو ادب کے لئے جس تن دہی، شفقت اور خلوص سے کام ہو رہا ہے اسے میں نے ہمیشہ سراہا ہے، مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شمالی ہند میں اس لگن اور جاں فشانی کی کمی ہے، آپ کی بزم ادب ایک زندہ ادارہ ہے، جس کا ایک ادبی منصوبہ ہے اور مجھے خوشی ہے کہ وہ منصوبہ پورا ہو رہا ہے، مخزن کے اندراجات بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اس کے اکثر مضامین طلبہ اور اساتذہ دونوں کی ذہنی بیداری کا ثبوت پیش کرتے ہیں، اگر اسی طرح جنوبی ہند کی دوسری زبانوں کے مضامین

اور افسانوں کے ترجمے بھی شائع کئے جایا کریں تو اور اچھا ہے، اس دفعہ کرناٹک کے ادبی سرمائے پر ایک مختصر سا مضمون ہے، ضرورت ہے کہ اس سے زیادہ مفصل مضامین دوسری زبانوں کے ادب پر شائع ہوں تاکہ اردو پڑھنے والے دوسری زبانوں کی رفتار ترقی سے بھی واقف ہو سکیں

میری دلی خواہش اور دعا ہے کہ آپ کا رسالہ زیادہ ترقی کرے"

پروفیسر عبد القادر سروری صاحب، ام اے، ال ال بی
پروفیسر اردو، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد دکن

"رسالے کو میں نے بڑے شوق سے پڑھا، یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوتی ہے کہ میسور یونیورسٹی اور خاص کر مہاراجا کالج کے طلبہ میں اردو ادب کا ذوق ترقی کر رہا ہے، رسالہ مضامین اور طباعت ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے، ترتیب میں بھی سلیقے اور خوش مذاقی سے کام لیا گیا ہے، خدا کرے یہ ذوق اسی طرح ترقی کرتا رہے، بزم ادب کی جو روئدادیں رسالے میں شامل کی گئی ہیں ان سے طلبا اور اساتذہ کی جدوجہد پر بڑی اچھی روشنی پڑتی ہے، مجھے توقع ہے کہ ڈاکٹر خضر علی خان صاحب اور ان کے رفقائے کار کی رہنمائی اور ہمت افزائی سے مہاراجا کالج کے طلبا اس سے زیادہ شاندار خدمات انجام دے سکیں گے

ڈاکٹر، ام، اے، ایچ، فاروقی صاحب ام اے، پی ایچ ڈی
پروفیسر اردو و فارسی و تہذیب اسلامی، گجرات کالج، احمد آباد، بمبئی یونیورسٹی

"اردو زبان کے اس دور ابتلا میں میسور و بنگلور کی مردم خیز سرزمین جس پامردی سے اردو کے جھنڈے کو بلند کئے ہے، اس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملے گی، یہاں کے

ور رسائل جس شان سے اردو کی خدمت انجام دے رہے
ہ وہ دہلی اور لکھنؤ کی دیرینہ روایات کی یاد دلاتے ہیں
جامعہ میسور کا مجلہ "مخزن" اس سلسلے کی ایک اہم کڑی
ہے، اس کے دو شمارے راقم السطور کی نظر سے گزر چکے ہیں،
س کے لکھنے والے تمام و کمال کالج کے طلبہ ہیں، لیکن ان کے
فکار و نگارشات سے ادبی ذوق کی پختگی کا پتہ چلتا ہے، مضامین
کی ترتیب، تنوع اور رنگا رنگی ہر مذاق کے قارئین کے لطف و
طبع کا سامان مہیا کرتی ہے اور یہی اس مجلے کی انفرادی خصوصیت
اس غوغائے رستاخیز میں ایسے ضخیم رسالے کا پابندی
سے اجراء جامعہ کے نوجوان طلبہ کے عزم اور ارادوں کی
روشن مثال ہے، خدا کرے یہ "شاہین بچے" اردو کو اس کا
جائز مقام دلانے میں کامیاب ہوں۔"

---

# اختتامیہ بزم ادب کی سالانہ رپورٹ برائے سال ۵۷-۱۹۵۶ء

عہدہ دار۔ صدر۔ ڈاکٹر خضر علی خاں صاحب،
ام، اے، پی، ایچ، ڈی (کنٹب)
نائب صدر۔ عطاء الرحمٰن صاحب، سینیر، بی، اے
معتمد عمومی۔ آر، عبدالسلام صاحب، جونیر، بی، اے
شریک معتمد۔ سید غوث پاشا صاحب، سینیر، بی، اے
معتمد ڈراما۔ وقار احمد صدیقی صاحب، سینیر، بی، اے
مدیران مخزن۔ عبدالستار صاحب، سینیر، بی، اے
عبدالواجد صاحب، ام، اے (اردو)
نمائندگان۔ برائے سینیر، بی، اے، عبدالمتین صاحب
برائے جونیر، بی، اے، اسمٰعیل شریف صاحب
برائے طالبات، زینت النساء صاحبہ، دوم آنرز (اردو)
خازن۔ جناب سراج الحسن صاحب، ام، اے، لکچرر
مہتمم مخزن۔ جناب میر محمود حسین صاحب، ام، اے، لکچرر
خطبہ افتتاحیہ۔ حضرت ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب،
ام، اے، پی، ایچ، ڈی، (لیپزگ)، وائس چانسلر، مسلم
یونیورسٹی، علی گڑھ اور ممبر، یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے

سال کی ابتدا میں اپنی زبان مبارک سے خطبہ افتتاحیہ
ارشاد فرمایا، فوٹو اور عصرانے کے بعد صدر جلسہ ڈاکٹر
خضر علی خاں صاحب نے آپ کو خوش آمدید کہا اور بزم ادب
کے حالات گوش گزار کئے، جناب میر محمود حسین صاحب نے
خطبہ افتتاحیہ دینے کی درخواست کی، ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب
نے اپنے خطبے میں اردو فارسی اور عربی کی اہمیت پر روشنی
ڈالی، آپ نے فرمایا کہ اردو ملک کی مانی ہوئی چودہ زبانوں
میں شامل ہے، اسے اس کے جائز حق سے کوئی محروم نہیں
کرسکتا، عربی اور فارسی کی اہمیت اور ضرورت آزادی
کے بعد بڑھ گئی ہے، گو مسلمان ان سے کچھ غافل ہو گئے
ہیں مگر غیر مسلم ان کی طرف کافی توجہ دے رہے ہیں آپ نے
اس بات پر زور دیا کہ اساتذہ اور طلبہ عربی و فارسی کی
تعلیم و تعلم پر زیادہ توجہ دیں، بزم کے سالانہ آرگن
کی آپ نے تعریف کی اور اس کے بعض مضامین کی تحسین فرمائی
صدر جلسہ ڈاکٹر خضر علی خاں صاحب نے اپنی تقریر میں
شکریہ ادا کیا اور یقین دلایا کہ آپ کی ہدایتوں کی پوری پوری

تعین کی جائے گی

**مشاعرہ** ۔ جناب مولوی ایوب حسن فاروقی بیدل صاحب
کی صدارت میں ہوا، طرحیں تھیں
ع ۔ یہ ہونا تو پھر مزا کیا
ع ۔ کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور
اس میں حسب ذیل شعرائے کرام نے حصہ لیا، ساقیؔ
نسیمؔ، اسعدؔ، مرزاؔ، شاہدؔ، بیگانہؔ، شکیلؔ، ضیاء اور نبیلؔ

**میلاد شریف** ۔ ڈاکٹر خضر علی خاں صاحب کی صدارت
جناب مولوی سید قاسم صاحب بنگلوری نے کنڑی میں، ڈاکٹر
شیخ علی صاحب ام اے پی ایچ ڈی اور محمد کلیم اللہ صاحب
نے انگریزی میں، خلیل احمد صاحب سید امیر احمد صاحب اور جناب
محمد سیف صاحب ام ال اے نے اردو میں سیرت طیبہ پر تقریریں
فرمائیں

**یوم حسین** ۔ اس محفل میں جناب احمد علی خاں صاحب ام اے
ال ال بی، جناب عبدالغفار خاں صاحب بی اے ال ال بی
اور جناب میر نور حسین صاحب ام اے ال ال بی نے اسوۂ
امام علیہ السلام پر تقریریں کیں، جناب مولوی ایوب حسن صاحب
فاروقی بیدل نے صدارت کی

**امدادی شو** ۔ حسب معمول پر جناب اکبر میسور والوں نے
بزم ادب کے لئے ایک امدادی فلم شو کا انتظام کیا جس کی
آمدنی سے بزم کے اخراجات کی کفالت میں مدد ملی

**تحریری مقابلہ** ۔ "اخلاق اصلاح کے لئے مذہبی تعلیم ضروری ہے"
پہلا انعام ۔ فیض احمد صاحب، دوم آنرز، اردو
دوسرا انعام ... صاحب، سینیر بی اے

**عبدالسلام معتمد عمومی**

**انٹر کولیجیٹ تقریری مقابلہ** ۔ اس میں ریاست کے
مختلف کالجوں کے نمائندہ طلباء اور طالبات نے حصہ لیا،
موضوع تھا
"جمہوریت بہترین طرز حکومت ہے"
کامیاب امیدواروں کو صدر جلسہ ڈاکٹر خضر علی خاں صاحب
نے انعامات دئے ۔

**فلمی گانوں کا مقابلہ** ۔ پروفیسر ایچ، ام جلال الدین
ام اے کی صدارت میں ہوا۔ اس میں شہر کے مختلف کالجوں کے
نمائندہ طلباء اور طالبات نے حصہ لیا

**محمود بنگلوری** ۔ حضرت محمود خاں صاحب محمود بنگلوری،
مصنف تاریخ سلطنت خداداد وغیرہ نے اراکین بزم سے
خطاب کیا، اس جلسے کی صدارت ڈاکٹر خضر علی خاں صاحب نے کی

**ڈراما** ۔ جناب محمد حنیف صاحب سلیم، ام اے کی زیر ہدایت
اراکین بزم نے اپنا مرتب کیا ہوا ڈراما "صورت" کالج سٹیج
پر پیش کیا، یہ ڈراما بہت کامیاب رہا اور بہترین
اداکاروں کو انعامات دئے گئے

**اختتامی جلسہ** ۔ ڈاکٹر خضر علی خاں صاحب کی صدارت میں سال کے
آخر میں اختتامی جلسہ منعقد ہوا، عصرانے اور فوٹو کے بعد ڈاکٹر صاحب
نے اختتامی خطبہ دیا، آپ نے اس بات پر زور دیا کہ طلباء اور طالبات
کالج سے نکلنے کے بعد اپنے ذوق ادب کو بیدار رکھیں اور ترقی دیں
اور جہاں رہیں اردو زبان اور ادب کی ترقی اور اشاعت کا
خیال رکھیں، یہ ان کا فرض منصبی ہے
ہم ڈاکٹر صاحب قبلہ، اساتذۂ کرام، عہدہ داران بزم
اور اراکین بزم کا دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں

**سید غوث پاشا۔ شریک معتمد**



R. Abdul Salam *(General Secretary)*



Ismail Shareef



**Syed Ghouse Pasha** *(Joint Secretary)*



Ghulam Rabbani



Dr. Khizar Ali Khan, M.A., Ph.D. (Canada)



**Abdul Wajid** *(Joint Editor*



**Abdul Sattar** *(Joint Editor)*

mission is successful. The contents of the magazine indicate that most of the articles are useful and serviceable, and justify the intellectual awakening of the students. It would be still better if translations of good articles and short stories of other South Indian languages also are published in it. In this issue there is a short article on the literature and language of Karnataka. It is but necessary that more detailed articles than this on the literature of other languages are published enabling Urdu-readers to know the progress made by other languages.

It is my fervent hope and prayer that your journal may progress more and more.

Prof. ABDUL QADIR SARWARI M.A.,LL.B.
*Prof. of Urdu, Osmania University, Hyderabad*

I read the journal with much pleasure. I am very glad to see that the Urdu literary taste is developing in the Mysore University and particularly in the students of the Maharaja's College. The journal is appreciable both for the articles, and printing in every aspect.

Even in the compilation good taste and orderliness has been shown. May the taste go on progressing by the Grace of God. The endeavours of the students and the teachers come to light by the reports of the literary association included in the journal. I hope the students of the Maharaja's College would render still greater services than this under the guidance and encouragement of Dr. Khizar Ali Khan Sahib and his colleagues."

Dr. M. A. H. FAROOQI, M.A., Ph.D.
*Prof. of Urdu, Persian and Islamic Studies Gujrat College, Ahmadabad, Bombay University*

"I have seen two issues of the 'Makhzan' of the Mysore University. Its contributors are generally students of the college. But their writings and thoughts indicate the perfection of literary taste. The order of articles and their variety present a banquet for readers of all tastes and this is the unique peculiarity of this journal.

The regular publication of such a voluminous journal during these distrubed conditions is a bright example of the intentions and determination of the young students of the University."

MAULANA NIYAZ FATEHPURI
*Editor, Nigar, Lucknow*

Though the Urdu journal of the Maharaja's College, Mysore, is published once a year, but it is, by virtue of its high standard articles, such a valuable treasure of historical, scientific and literary information that it will not be improper to call it an independent work.

# MAKHZAN

## 1956–57

## *APPRECIATIONS*

H. E. Dr. ZAKIR HUSAIN, M. A., PH.D. (Leipzig)
*Ex-Vice-Chancellor, Muslim University, Aligarh*
*Governor, Bihar State*

I remember that 'Makhzan' was very good. The thing which pleased me most was that students express their ideas on literary and scientific subjects in it, and scholars and writers of the future practice on its pages I hope the young men who write in the Makhzan today would be seen among the good Urdu writer after a few years".

Dr. S. M. Q. ZORE M. A., Ph. D. (London)
*Ex-Professor of Urdu and Principal*
*Govt. Chaderghat College, Hyderabad*
*Hon. Gen. Secy. Idara-e-Adabiyyat-e-Urdu*
*Hyderabad*

"I am immensely pleased to read the Makhzan of the U. P. & A. Assn. Maharaja's College, Mysore. This magazine has been compiled and published very successfully under the supervision of Dr. Khizar Ali Khan and by the efforts of Mir Mahmood Husine. The articles produced by students, boys as well as girls deserve appreciation and are praiseworthy. It seems the Maharaja's College is devoted to embellish the Urdu literary taste in a praiseworthy way. Her teachers as well as students deserve congralulations for compiling such a highly valuable and useful magazine. Its articles, short stories and poems, all of them are written in such a beautiful and disciplined way that any one who reads them cannot but praise them. I congratulate you all again".

Prof. RASHID AHMAD SIDDIQI M. A.
*Prof. of Urdu, Muslim University*
*Aligarh*

" The most triking feature I noticed is that the boys and girls have written all the articles with much enthusiasm and just pride. This capacity in your students is a good augory. Besides, being so away from Delhi and Lucknow your language and writing is in no way inferior to that of those near and dear ones who live comparatively nearer to them. Having these articles in my mind I have felt this also that there is an extraordinary capacity of selecting topics and discussig them nobly, methodically and in a disciplined way, in your students. In this connection particularly I consider the teachers also to be worthy of praise and appreciation under whose kind guidance these young men are getting their education and training.

The article on Krishnarajsagar by Syeda Malika Bano is valuable. I have once enjoyed the sight of this sagar. But the feeling how the Maharaja of Mysore acted large-heartedly and broad-mindedly in preserving the historical achievement of the Sultan has further added to my joy.

I have begun to consider this feeling of mine to be more valuable than the outward beauty of the sagar."

Prof. SYED IHTISHAM HUSAIN M. A.
*Prof. of Urdu, Lucknow University*

"Your association is a live institution which has a literary mission and I am glad that the

critics all over the country on the last year's issue have also been included in this issue with a translation in English.

We are highly obliged and submit our humble thanks to Hon. the Chief Minister, Sri S. Nijalingappa B.A.,LL.B , Hon. the Minister for Eduction, Sri V. Venkatappa, the Education Secretary to the Govt. of India, Janab K. G. Saiyyidain M.A., the State Congress President, Sri S. Channiah, Principal C. D Narasimihaiah M.A. (cantab). Janab Mahmood Shareef M.A., LL.B , M.L.A. and Janab A. Mohammad Sait M.L.A. for their kind messages published in this issue with translations.

This year the activities of the Urdu, persian and Arabic Association were inaugurated by H. E. Dr. Zakir Husain M A., PH.D. (Leipzig), the eminent educationist of India, Ex-Vice-Chancellor, Muslim University, Aligarh, Ex-Member, University Grants Commission and the present Governor of Bihar. It was very kind of him to have accepted our invitation and honoured us by his visit. Delivering the Inaugoral Address, he appreciated the activities of the Association and praised the last year's issue of our magazine He appreciated the article on Kannada Language and Literature particularly and said that it was through that article that he was introduced to this great language of the South. He exhorted students and teachers to pay more attention to Persian and Arabic as the scope for these two great languages had widened in India after Independence. We consider it to be a great achievement to have received such high appreciation of our magazine and other literary actvities from such a great man.

We have established a 'Makhzan Fund' by the income derived from the advertisement charges, donations and sales proceeds. Hereafter we will be able to discontinue publishing avertisements if the University kindly comes to our aid with an annual substantial grant, which we are sure, this literary organ deserves. Our aim is to start publishing Urdu, Persian and Arabi books also under the auspices of the magazin in future. A scholarship to a poor student wa awarded this year out of this fund.

We are glad to announce that the prize fo the best article has been awarded to Janal Mohammad Haneef, student, Central College Bangalore for his short story 'The Right Hand o Tipu Sultan'. In this story he has portraye the martyrdom of Syed Ghaffar, C-in-C. o Tipu Sultan, by the treachery of Mir Sadiq, a few hours before the martyrdom of Tipu Sulta and its consequences. His style is promisin and diction praiseworthy.

Our sincere thanks are due to Dr. Khiza Ali Khan M. A., Ph. D. (Cantab) and hi colleagues. In fact Dr. Khan is solely responsi ble for all our literary and productive activitie We are rightly proud of having such an eminen scholar and efficient guide as our professor an Head of the Department. We are deeply impres sed by his able guidance and courteous behavi our. Under his supervision Janab Mir Mahmoo Husine M.A., Lecturer in Persian, has ver enthusiatically organized the publication of th magazine for the past three years. He deserve our thanks. Janab H.M. Jalaluddin M.A. Asst Prof. of Urdu and Persian, Janab Mohammad Haneef M.A. Janab Sirajul Hasan M.A, Lecturers in Urdu and Persian, and Janab M. Abdul Ghaffar M.A.,LL.B. (Research Scholar) temporary Lecturer in Urdu also has rendered all co-operation and help. We thank them and are rightly proud of them all.

We thank the Director of Archaeology in Mysore and the Principal Information Officer, Govt. of Mysore, Bangalore for kindly lending photo blocks. Iu the end we thang all contributors, advertisers and all those who have helped us in bringing out this special uumber.

Abdul Sattar
Abdul Wajid
Editors

# FOREWORD

We are very glad to present the Tipu Sultan Number of our magazine being the first special number and the twenty seventh annual issue. The publication of this issue has been delayed by a few months just to synchronize its appearance with the Centenary Celebrations of India's Struggle for Independence on 16th August, 1957. In fact the struggle for the Independence of India began with the compaigns of Hyder Ali Khan and Tipu Sultan against the British, long before the War of Independence of 1857. We have dadicated this special issue to the sacred memory of that great and illustrious ruler of Mysore and Stalwart of Freedom, Tipu Sultan as a humble tribute to his glorious deeds and unique sacrifices. The campaign started by him and his father gained vigour by the valiant sacrifices of the heroes of the 1857 Struggle for Freedom and was successfully concluded by Mahatma Gandhi and his noble colleagues Hence, the struggle for Freedom is a long story from Hyder and Tipu down to Gandhi.

Hyder Ali Khan and Tipu Sultan were not only brave warriors but also great rulers, able administrators and builders of the Nation. A correct revaluation of their motives and actions by eminent historians in Free India will surely remove all scandals of intolerance and clear all other doubts which were deliberate creations of the British regime for the purpose of bringing about Hindu Muslim disunity. It can never be denied that that they industrialized the State, improved much the economic conditions and brought prosperity and happiness to the people. They were the first to abolish the zamindari system, to give impetus to the manufacture of swadeshi goods, to start the non-coperation movement and to introduce prohibition. Their tolerance is manifest in their dedications and gifts made to numerous temples and mutts throughout the state and in their letters written to the Swamiji of Sringeri, published by the Archaelogical Department. An article written by Mahatma Gandhi on this subject in the 'Young India', included in this issue substantiates this fact fully. They were dedicated to the cause of National Unity and freedom from foreign domination. They laid their lives for this noble cause. More than all they were perfect men and saintly rulers. They lived and died to please the Almighty. They were God-fearing and God-loving. Wordly beauty and wealth could never allure them. They were embodiments of love and service. They disappeared from our midst but their virtues and contributions will ever remain apparent in all spheres of life in Mysore.

This special issue contains articles and poems mainly on the lives and deeds of Hyder Ali Khan and Tipu Sultan Some of them are based on original research. Most of them are in Urdu, some in Persian and one in Arabic, Most of them have been contributed by students of various colleges of our University. Lecturers of the University and recognized writers and poets of our state also have contributed articles and poems on our request, the most important among them being two fresh articles by the reputed and recognized authority on Hyder Ali Khan and Tipu Sultan, Janab Mahmood Khan of Bangalore, who also helped us a lot in this compilation. We are so thankful to them all. The appreciations received from professors and

Feeling this they must gain speed in their action. When the litter is heavy travel becomes easy by stimulating the camel-song Once again I pray for the success of the Makhsan.

**Mahmood Shareef**

(Translation)

Janab A. MOHAMMAD SAIT, M.L.A

Mysore

## IN THE NAME OF ALLAH, THE BENEFICENT, THE MERCIFUL

I am immensely pleased to hear that you are bringing out the Tipu Sultan Number of the Makhzan this year. Who can deny the fact that Nawab Hyder Ali Khan Bahadur and Hazrat Tipu Sultan Shaheed had laid the foundation stone of the struggle for the freedom of our country, and for that they gave such sacrifices whose example is not available in the history of India. The freedom of India is obliged to them more than all others. The history of one and a half centuries of the freedom struggle is unable to present their like. The example of such kings who were tolerant, well wishers of the country and the nation, just rulers and patrons of learning and godfearing are rare in the history of India. I reckon them to be among the greatest stalwarts of the country. In fact Free India can never forget to remember these warriors. Had not the traitors acted treacherously the English would never have gained ground in India. You are serving a very good cause by publishing the special number of your magazine in his memory.

The Hindu temples of Srirangapatam and the whole state stand testimony even today to the unique toleration of these rulers. Prohibition commenced in their auspicious reign. They started for the first time the swadeshi movement, started industry and handicraft for the economic progress of the country, abolished the zamindari system and brought about a period of peace, happiness, discipline and good administration. They were lovers of freedom and devoted to the country and the nation. They gave their lives but not honour. They possessed 'self' according to Hazrat Allama Iqbal. They died in outward appearance but are ever-alive in reality.

I have seen the last threee issues of the Makhzan. I have rarely seen such informative and interesting magazines. The thing which has pleased me most is that the students, boys and girls, of our University have produced such articles of a high standard. These young men are the cause of our pride. This proves that we do not lack in writers. Only oppurtunities and encouragement are required.

All this is the result of the efforts of Dr. Khizar Ali Khan and his colleagus. I sincerely congratulate them. May Almighty give more and more oppurtunities to our teachers and students to manifest their capacities. I pray that this special number be excellent.

*Amen*

**A. Mohammad Sait**

(Translation)

**Janab K. G. SAIYIDAIN, M.A.**

*Education Secretary*
*Government of India*
New Delhi

I am glad to learn that the Mysore University Urdu, Persian and Arabic Association is bringing out a Special Number of the Makhzan dedicated to the memory of Hyder Ali and Tippu Sultan. Both these rulers hold an honoured place in our national history and the example of even-handed justice, tolerance and good administration that they set up has endeared them to the heart of large numbers of people. I wish the Association all sucess in this endeavour.

**K. G. Saiyidain**

Prof. C. D. NARASIMHAIAH, M.A. (Cantab),

*Professor and Head of the Department of English,*
*Principal*
Maharaja's College, Mysore

I am glad to learn that the Mysore University Urdu, Persian and Arabic Association is bringing out an annual magazine with articles on Tippu Sultan. It is most appropriate that this number of your magazine should be devoted this year, which is said to mark the Centenary of India's Struggle for Freedom, to Tippu Sultan, that great soldier and patriot. When a proper revaluation of the achievement of this great son of India is made by disinterested historians, I believe that far from looking down upon Tippu (for that is what our history books have taught us so far) our countrymen will develop a real respect and admiration for him. It is my sincere hope that your special number will contribute to this reassessment.

Wishing you all the best.

**C. D. Narasimhaiah**

Sri S. CHANNIAH

*President*
*New Mysore Pradesh Congress Committee*
Bangalore

I am glad to know that you are bringing out a Special Number of your magazine, "Makhzan", on Hyder Ali and Tippu Sultan in August 1957. I trust that the Special Number will contain interesting and instructive articles of historical value on the lives and work of the two great rulers. I wish you all success in your enterprise.

**S. Channiah**

Janab
MAHMOOD SHAREEF, M.A. LL.B., M.L.A.

*Ex Minister Government of Mysore*
*Member*
*Mysore University Syndicate*
Bangalore

I am very glad to hear that you are bringing out the Makhzan this year also as in the last year, and presenting the life and valuable services of Tipu Sultan through it. It is appropriate to publish the magazine on the occasion of the formation of greater Mysore which is the outcome of the imagination of Tipu Sultan, which was pending since years, and whose coming into existence has opened all highroads of progress In this connection I need not say how eagerly I am looking for the success of the Makhzan. The efforts of the students of your college since two years stand testimony as to how enthusiastically they are working in the matter of Urdu Literature and how much devotion their is in there hearts. It is evident through what critical times Urdu is passing at present and which untoward conditions it has to fe[illegible]. In this way their responsibilities increase further.

**Sri V. VENKATAPPA**
*Minister for Education*
*Government of Mysore*
*Bangalore*

Ir is really a matter for immense satisfaction that a Special Number of your annual magazine " Makhzan " is being brought out in August 1957, commemorating the life and achievements of Hyder Ali Khan and Tippu Sultan. The history of Mysore, especially in the latter half of the 18th century is closely interwoven with the lives of Hyder and Tippu who have played a notable part in extending the Mysore territory and consolidating it under the Wadiyar Kings of Mysore. Hyder Ali Khan as the Commander in-Chief of the Mysore Army was mainly concerned in extending the territory and it was left to Tippu Sultan to consolidate it. Yet the political intrigues brought to a close the eventful history of these two great sons of the Mysore Soil with the Fourth Mysore War in 1799. It is, therefore, of utmost importance to realise at this juncture that, in Mysore State, Hindus and Muslims have lived together for nearly 300 years. This realisation will go a long way towards the joint efforts of these two communities in upholding the honour and prestige of the country under a democratic set-up. It is my fervent hope that our young men and women realise this fundamental aspect of unity in diversity without becoming victims of disruptive forces.

**V. Venkatappa**
*Minister for Education*

The Mysore University
Urdu, Persian and Arabic Association
Maharaja's College, Mysore

ANNUAL

# MAKHZAN

1956-57

## TIPU SULTAN NUMBER



*Director*
Dr. KHIZAR ALI KHAN, M.A., Ph.D. (Cantab)
*Professor and Head of the Department of Urdu, Persian & Arabic*

*Organizer*
MIR MAHMOOD HUSINE M.A.
*Lecturer in Persian*

*Editors*
ABDUL SATTAR, Sr. B.A.
ABDUL WAJID, M.A. (Urdu)

*Office of*
THE MAKHZAN, MAHARAJA'S COLLEGE MYSORE.